اسلام، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی حقیقت اور اوس کے روحانی اخلاقی اور مادی فوائد و مصالح بیان کئے ہین، نماز کے ارکان کی تشریح مین اسلام اور مسلم کی حقیقت، اس کے دینی اور دنیوی فرائض، عبد و معبود کے تعلق، حقوق اللہ و حقوق العباد، انفاق فی سبیل اللہ، مکاید نفس، اسلامی سادگی و مساوات وغیرہ اسلامی تعلیمات کی پوری روح بیان کر دی ہے، اور اس کے دینی اور دنیوی پہلوؤن کو بڑی حد تک صحیح نقطۂ نظر سے پیش کیا ہے، انداز بیان نہایت موثر اور دل پذیر ہے، کتاب اپنی معنوی خوبیون کے اعتبار سے مسلمانون کے پڑھنے کے لائق ہی،

دانائے راز، مؤلفہ جناب آغا شیر احمد خان صاحب خاموش بی اے ایل ایل بی، تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۵ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت:- ۱۲؎ پتہ:- دائرۂ ادب اردو لودھیانہ پنجاب،

اس مقالہ مین مصنف نے سر اقبال مرحوم کی شخصیت کے متعلق اپنے جذبات و تاثرات ظاہر کئے ہین، اور فرنگی تہذیب اور اس کے پیدا کردہ مفاسد اور عہد حاضر کے بعض مسائل امومت اور اشتراکیت وغیرہ کے بارہ مین سر اقبال مرحوم کے خیالات اور ان کے نقطۂ نظر کو پیش کیا ہی،

ریاضِ فردوس، از جناب مضطر مظفر پوری تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۵۹ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت:- ۱۲؎ پتہ:- جناب قاری شاہ عبدالحمید صاحب مضطر ناظم مدرسہ جامع العلوم مظفر پور،

قاری شاہ عبدالحمید صاحب مضطر بہار کے کہنہ مشق شاعر ہین، ریاض فردوس ان کے کلام کا مجموعہ ہو، ان کی شاعری کا نشو و نما تمامتر قدیم ماحول مین ہوا، اس لئے وہ خالص قدیم رنگِ تغزل کا نمونہ ہے، جدید تغیرات کا اس پر کوئی اثر نہین، لیکن قدیم رنگ کے ابتذال سے پاک ہو، اور زبان صاف اور شستہ ہے،

"م"

جلد ۵۲ ماہ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۳ء عدد ۲

مضامین

اطلاع

اس مہینہ مین معارف کی طباعت ختم ہونے کے بعد شذرات مین آٹھ صفحون کا اضافہ کرنا پڑا جس سے پرچہ کا وزن بڑھ جاتا تھا، اس لئے مجبوراً آخر سے ادبیات و مطبوعات کے چھپے ہوئے فرمے نکال دینا پڑے جو آیندہ مہینے مین شامل ہون گے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موت العالِم موت العالَم

محفل دوشیں کا وہ چراغ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا بالآخر ۸۲ سال ۳ ماہ ۱۰ یوم جل کر ۱۶؍ رجب ۱۳۶۲ھ کی شب کو ہمیشہ کے لئے بجھ گیا،

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یعنی حکیم اُمت، مجدد طریقت، شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرض ضعف و اسہال میں کئی ماہ علیل رہ کر ۱۹- اور ۲۰ جولائی کی درمیانی شب کو ۱۰ بجے نماز عشاء کے وقت اس دار فانی کو الوداع کہا، اور اپنے لاکھوں معتقدوں اور مریدوں اور مستفیدوں کو غمگین و مہجور چھوڑا، اناللہ وانا الیہ راجعون ہ اب اس دور کا بالکلیہ خاتمہ ہوگیا جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، مولنا یعقوب صاحب نانوتوی، مولنا قاسم صاحب نانوتوی، مولنا شیخ محمد صاحب تھانوی کی یادگار تھا اور جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد بریلوی کی نسبتیں یکجا تھیں، جسکا سینہ چشتی ذوق و عشق اور مجددی سکون و محبت کا مجمع البحرین تھا، جسکی زبان شریعت و طریقت کی وحدت کی ترجمان تھی جس کے قلم نے فقہ و تصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم آغوش کیا تھا اور جس کے فیض نے تقریباً نصف صدی تک اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اپنی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و ہدایت سے ایک عالم کو مستفید بنا رکھا تھا، اور جس نے اپنی تحریر و تقریر سے حقائق ایمانی، دقائق فقہی، اسرار احسانی اور رموز حکمت ربانی کو برملا فاش کیا تھا، اور اسی لئے دنیا نے اُنکو حکیم الامت کہکر پکارا، اور حقیقت یہ ہے کہ اس اشرف زمانہ کے لئے یہ خطاب عین حقیقت تھا،

سوانح حضرت کی پیدائش ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو چہارشنبہ کے دن ہوئی، ابتدائی عربی تعلیم تھانہ بھون میں مولنا فتح محمد صاحب تھانوی سے حاصل کی ۱۲۹۵ھ سے شروع ۱۳۰۱ھ تک مدرسہ دیوبند میں رہکر مولنا یعقوب صاحب کے حلقہ میں تکمیل کی، فراغت کے بعد ہی ۱۳۰۱ھ میں مدرس ہو کر کانپور آگئے اور چودہ سال یہاں مقیم رہے اور اپنے درس، مواعظ اور فتاوی سے لوگوں کو مستفید کیا،

حضرت مولنا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے بواسطہ خط کے غائبانہ بیعت

مہاجر الی اللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۲۹۹ھ میں ہو چکی تھی لیکن ۱۳۰۱ھ کے آخر میں ایام حج میں بعد حج حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اخذ فیض فرمایا، اور واپس آکر ۱۳۰۶ھ تک علمی مشاغل تصنیف و تالیف اور تدریس کیساتھ ذکر و شغل بھی ضمناً معمول رہا، مگر ۱۳۰۶ھ میں زندگی نے پلٹا کھایا اور یہ رنگ بڑھتا گیا، یہانتک کہ ۱۳۱۰ھ میں مضطربانہ اور والہانہ حج کا دوبارہ ارادہ کیا، اور حضرت حاجی صاحب کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر دوبارہ ایک زمانہ تک رہ کر استفادہ باطنی فرمایا، واپس آکر ۱۳۱۴ھ تک پھر کانپور میں رہے، آخر حضرت حاجی صاحب کے مشورہ کے مطابق ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے ترک تعلق فرما کر تھانہ بھون میں متوکلانہ اقامت فرمائی، اور اس وقت سے لیکر اخیر وقت تک یعنی اس ۱۳۶۲ھ تک اسی شان سے خانقاہ امدادیہ کی سہ دری میں بیٹھ کر افادہ و افاضہ میں برابر مصروف رہے اور ایک خلق کو اپنی برکات سے بہرہ مند فرمایا، اس اثنا میں انکے مواعظ، تصانیف و ملفوظات سے لاکھوں انسانوں کو ہزاروں مسلمان اور سیکڑوں کو متقی کامل بنا دیا، اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ دعا یا پیشنگوئی پوری ہوئی،

"بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے، امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ و مسجد کو از سر نو آباد کریں، میں ہر وقت آپکے حال میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے" ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ

تصانیف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف و رسائل کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے، اور کل کی کل تحقیقات علمیہ حقائق دینیہ اور نکات احسانیہ سے لبریز ہیں، ان میں تفسیر البیان، شرح مثنوی، فتاوی امدادیہ، التعرف الی التصوف اور بہشتی زیور وغیرہ کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں، ملفوظات اور مواعظ و خطبات کی تعداد سیکڑوں کی حد تک ہے، ان تصانیف میں قرآن پاک کی مشکل آیات کریمہ کی تفسیر، احادیث شریف کی شرح، فقہ کے مشکل مسائل کا جواب، سلوک و طریقت کے نکتے، اخلاقی فضائل و رذائل کی حکیمانہ تحقیق اور اُنکے حصول و ازالہ کی تدابیر اور زمانہ حال کے شکوک و شبہات کے جوابات سب کچھ ہیں، تصانیف میں متفرق علوم و مسائل اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان سے کسی ایک موضوع کے مباحث کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے تو ایک ایک مستقل کتاب بنجائیں، چنانچہ حضرت کے تربیت یافتوں نے اس قسم کے بیسیوں مجموعے تیار کئے ہیں، سب سے اخیر میں اس قسم کا مجموعہ بوادر النوادر کے نام سے ایک ہزار صفحوں میں چھپ کر شائع ہوا ہے، خطوط کے جوابات کا جنکے متعلق وفات کے دن تک اہتمام یہ رہا کہ آج کے خط کا جواب کل کے لئے اٹھا نہ رکھا جائے، عظیم الشان دفتر الگ ہے،

تصنیفات میں بلکہ ہر تحریر میں اہل نظر کو یہ معلوم ہوگا کہ گویا مصنف کے سامنے ساری مسائل و موضوع یکجا ہیں، اور وہ سب کو اپنی اپنی جگہ احتیاط سے رکھتا جاتا ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ مصنف جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے اسکو اسمیں ایسا غلو ہو جاتا ہے کہ دوسرے گوشوں سے اس کو ذہول ہو جاتا ہے، حضرت کی تصانیف کی

خاص بات یہ ہے کہ قلم ہر ایک کی احتیاط اور رعایت کرکے، اور غلو سے بچکر اس طرح نکلتا ہے کہ جاننے والوں پر حیرت چھا جاتی ہے، حضرت کا ترجمۂ قرآن پاک تاثیر، سہولت بیان اور وضوح مطالب میں اپنا آپ نظیر ہے، بہشتی زیور کہنے کو تو عورتوں کی کتاب ہے، مگر فقہ حنفی کی ضروریات کے لئے انتہائی احتیاط و کاوش کا نتیجہ ہے، تفسیر القرآن کو یوں سمجھنا چاہئے کہ روح المعانی اور تفاسیر ماسبق کی اردو میں حد درجہ محتاطانہ ترجمان ہے، سلوک و طریقت کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے،

حضرت کی تجدید طریقت کا بڑا کمال یہ ہے کہ ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا میں وہ عامیانہ تصوف بلکہ جوگ تک سے ملگئی تھی، اس کو زوائد و حواشی سے صاف کرکے قدما اور سلف صالحین کے رنگ پر لے آئے

کبھی فرصت سے سُن لینا بڑی ہے داستاں میری

علالت طبع حضرت کی صحت ادھر چند سال سے رو بانحطاط تھی، دو دفعہ خاص علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لائے، اور دونوں دفعہ صحت و عافیت کیساتھ مراجعت ہوئی، علالت اصلی یہ تھی کہ معدہ و جگر کا فعل صحیح نہیں رہا تھا، علاج سے طبع مبارک اصلاح پذیر ہو جاتی تھی، گر بالکلیہ ازالہ نہیں ہوتا تھا، اس دفعہ دو تین ماہ سے طبیعت پر اضمحلال طاری تھا، چنانچہ علاج کے لئے سہارنپور تشریف لے گئے، اور چند روز قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے، لیکن طبیعت صاف نہیں ہوئی، وطن میں حکیم سعید صاحب گنگوہی کا علاج شروع ہوا، اور ورم جگر و معدہ کا مرض تشخیص ہوا، گر فائدہ نہ ہوا، اشتہا ساقط تھی، روزانہ اسہال کی تعداد چالیس پچاس تک پہنچ گئی، اور ضعف روز بروز بڑھتا گیا، وصال سے قریب بیس روز پہلے حکیم خلیل صاحب سہارنپوری کا علاج شروع ہوا، ضعف معدہ اور ضعف جگر کی تجویز تھی، حکیم صاحب کے علاج سے دستوں میں کمی آگئی، مگر اشتہا بالکل ہی ساقط تھی، اور ضعف میں ترقی ہی ہوتی رہی،

میری آخری حاضری خاکسار جون کے آخر میں اپنے مستقر سے تھانہ بھون اور پھر بھوپال کے ارادہ سے روانہ ہوا، لیکن لکھنؤ پہنچ کر دار العلوم ندوہ کے معاملات نے الجھا لیا، لکھنؤ میں ہر روز حضرت کی شدت علالت کی اطلاعیں آرہی تھیں، حضرت کے ہزاروں معتقدوں کی طرح خاکسار بھی زیارت کے لئے بے چین تھا، حضرت کی طرف سے سخت تدغن تھی کہ باہر لوگوں کو اس شدت علالت اور کیفیت مزاج کی کوئی اطلاع نہ دیجائے تاکہ مخلصین میں اضطراب پیدا ہو اور وہ سفر کی زحمت نہ اٹھائیں، جو پہنچ جاتے تھے عام طور سے بطور تنبیہ ان کو اندر جانے کی اجازت نہیں ملتی تھی، اس پر بھی خاکسار خلاف دستور بے اطلاع ۶ جولائی کو لکھنؤ سے روانہ ہو گیا، اور دوپہر کو عین بارش کی حالت میں اسٹیشن سے خانقاہ تک پیادہ پا بھیگتے ہوئے پہنچا، دریافت حال سے معلوم ہوا کہ افاقہ کی صورت ہے جس سے تسکین ہوئی، میرا اس طرح خلاف دستور بے اطلاع اچانک پہنچ جانا حضرت کے لئے تعجب کا موجب ہوا، میری آمد کے خبر دینے والے سے پوچھا "تم مولوی سلیمان کو پہچانتے بھی ہو یا یونہی کہہ رہے ہو" اس نے اثبات میں جواب دیا تو ارشاد ہوا کہ ان کی عادت بے اطلاع آنے کی نہ تھی حضرت

کے عزیز خاص مولنا جمیل احمد صاحب نے عرض کی کہ حضرت کی علالت کی خبر سنکر چلے آئے ہونگے، نماز ظہر کے بعد مجلس میں حاضری ہوئی، ضعف سے بستر پر بیٹھے تھے، مصافحہ فرمایا، خاکسار نے دست مبارک کو بوسہ دیا، شفقت سے بشاشت ظاہر فرمائی، سفر کا حال پوچھا، کسی خادم کے ساتھ نہ لینے پر نصیحت فرمائی، قیام کے دن پوچھے، خاکسار نے بھوپال کے سفر کی ضرورت ظاہر کی کہ سرکار بھوپال نے اپنی ریاست میں مسلمان عورتوں کے طلاق و تفریق کے مسائل کے طے کرنے کے لئے علما اور اہل قانون کی ایک مجلس مقرر کی ہے، اسی کی شرکت کو لئے مع مولنا مفتی کفایت اللہ صاحب یہاں سے جانا چاہتا ہوں، اس لئے مجلس کی تاریخ کی اطلاع تک یہاں چند روز رہنا چاہتا ہوں،

فرمایا اللہ تعالیٰ والیۂ بھوپال پر رحمت فرمائے کہ انھوں نے مسلمان عورتوں کے حال پر رحم کھایا، خاکسار نے عرض کی کہ حضرت وہاں اب والیہ نہیں والی ہیں، فرمایا ٹھیک ہے، غرض اس حالت میں بھی کہ ضعف پوری شدت پر تھا، تکلم میں تکلف تھا، پھر بھی حاضرین مجلس پر شفقت فرما کر ملفوظات سے ذرا تھم تھم کر بہرہ ور فرمارہے تھے، اور لوگوں کے آئے ہوئے خطوط سُن رہے تھے، اور بدستور جواب لکھوا رہے تھے، بلکہ بعض بعض خطوط پر خود دست مبارک سے بھی لکھدیتے تھے، کبھی جو قوت پاتے اور اس وقت کام کرنے لگتے یا ملفوظات ارشاد فرمانے لگتے تو تھوڑی دیر کے لئے حاضرین کو یہ خیال ہونے لگتا کہ حضرت بیمار ہی نہیں، مگر ادھر جوش بیان کم ہوا اور ادھر سر تکیہ پر رکھدیا، ہمیشہ کی عادت یہ تھی کہ بڑا تکیہ پیٹھ سے لگا کر سر کو بے سہارے اونچا رکھتے تھے، یہی حال اس وقت بھی تھا، دیکھنے والوں کو تکلیف معلوم ہوتی اور اس مشورہ کو جی چاہتا تھا کہ دوسرا تکیہ اور رکھ کر اس پر حضرت سر مبارک کو رکھ لیں، چنانچہ میں نے اپنی نادانی سے یہ عرض کیا تو ارشاد ہوا نہیں اس کی حاجت نہیں، بعد کو خواجہ صاحب (خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری ریٹائرڈ انسپکٹر آف اسکولس یوپی) جو حضرت کے خلیفۂ خاص، محرم خاص بلکہ خادم خاص ہیں) نے فرمایا کہ حضرت کی ہمیشہ کی عادت یہی ہے، اس ضعف و اضمحلال کی حالت میں بھی مجلس کا وقار، نظم و ضبط، اور اصول و قواعد کی پابندی بدستور جاری تھی، اور آخر لمحۂ حیات تک اس میں فرق نہیں آیا،

عصر کے وقت مجلس برخاست ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ کھانے کے الگ انتظام کی ضرورت نہیں، چند روز کے مہمانوں کے لئے اس کی ضرورت نہیں، بڑے گھر سے کھانا جائیگا، اور ایک خادم خاص کو اس کی ہدایت فرمائی، اس ناسزاوار کے لئے تو یہ خیر و برکت کا سامان تھا، یہ بھی ارشاد ہوا کہ جب چاہو اور جس وقت چاہو آسکتے ہو کوئی قید نہیں، یہاں سے اٹھ کر جب خانقاہ پہنچا تو بعد نماز حضرت [illegible] کی طرف سے حضرت کی آخری تصنیف بوادر النوادر کا ایک نسخہ مولنا جمیل احمد صاحب نے ہدیہ لاکر عنایت فرمایا اور یہ ارشاد سامی پہنچایا کہ میرے مضامین سے اقتباسات جمع کرکے شائع کرو، اس حکم کو اپنی ہدایت و رہنمائی کا نسخہ سمجھ کر اپنی سعادت کا اظہار کیا، دوسرے دن حاضری کے موقع پر حضرت نے اپنی زبان مبارک سے خود یہ ارشاد فرمایا کہ

توخاکسار نے حضرت کی زحمت تکلم کے خیال سے عرض کیا کہ یہ ارشاد مبارک مولنا جمیل احمد صاحب کے ذریعہ پہنچ چکا، مگر وہاں سے اٹھنے کے بعد مولنا جمیل صاحب سے جب میں نے پوچھا کہ حضرت کا مقصود کیا ہے یعنی اس کتاب بوادر سے اقتباس یا عام کتابوں سے، انھوں نے فرمایا اس کو میں نے اچھی طرح خود بھی نہیں سمجھا، بعد کی حاضری میں موقع پاکر میں نے تفصیل چاہی تو ارشاد ہوا نہیں عام کتابوں میں جو مضمون مفید نظر آئیں انکو یکجا کر لیا کرو،

آخری حالات میری حاضری ۷ جولائی سے ۱۰ جولائی کی دوپہر تک رہی، اشتہا کا سقوط اور ضعف کا استیلاء اپنی حالت پر رہا، دست پانچ، چھ، سات تک آتے رہے، مزید یہ کہ ہاتھوں اور پاؤں پر ورم تھا، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے ناخنوں میں نیلاہٹ نمودار ہوگئی تھی جو باعث تشویش تھی، دو روز کے بعد اس میں کمی آگئی، مگر وفات کے چند روز پیشتر وہ پھر عود کر آئی تھی،

خدمت اور خاص کر رات کے وقت نوبت بہ نوبت جاگ کر خدمت کی سعادت خدام خاص کی خدمت میں آئی جنہیں پہلا درجہ خواجہ صاحب کا ہے، ان کے علاوہ مولنا جمیل احمد صاحب، بندو میاں، (ملازم نواب صاحب باغپت) اور مولوی شبلی صاحب جونپوری نے اس خدمت خاص کی سعادت اخیر تک پائی، بعد کو مولنا ظفر احمد صاحب بھی ڈھاکہ سے آکر اس میں شامل ہوگئے،

حاضری کے دوسرے یا تیسرے دن استفسار ہوا کہ کھانا تو مزاج کے مطابق ہوتا ہے، عرض کہ بالکل مطابق ہے، کس تواضع اور کس شفقت اور کس بلاغت سے ارشاد ہوا کہ میں معافی کا خواستگار نہیں مستحق ہوں، اس نکتہ پر اہل نظر نے تحسین کی سعادت پائی کہ ضعف و نقاہت کے اس عالم میں بھی دل و دماغ ناقصوں کی تربیت میں مصروف ہیں، اور اکرام ضیف کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے،

دو تین واقعے ذکر کے قابل ہیں، اسی اثنائے حاضری میں بنگال سے ایک معتقد با اخلاص کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی کی وفات کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اختیار دیتے ہیں کہ خواہ وہ دنیا میں رہنا پسند کرے یا اللہ تعالیٰ کے یہاں جانا، یہ تمہید لکھ کر اس میں تھا کہ میرے اعتقاد میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبعین خاص کو بھی اس اختیار خاص سے حسب استعداد حصہ ملتا ہوگا، اس لئے عرض ہے کہ ہم ناقصوں کی تربیت کے لئے حضرت والا چند روز اور اس دنیا میں قیام منظور فرمائیں، خط کے جواب میں لکھوا دیا "تم اپنے دماغ کا کسی حاذق طبیب سے علاج کراؤ" پھر حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا "اول تو یہ ثابت نہیں کہ جو انبیاء (علیہم السلام) کو ملتا ہے اس میں اولیاء و مشائخ کو بھی حصہ ضرور ہی ملتا ہے"، اور اس کے بعد فرمایا "اور اگر ایسا بھی ہو تو ان انبیاء نے کیا کیا ہے" (یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب ہی کو حیات دنیا پر ترجیح دی)

ایک دفعہ بعد فجر خط لکھوا کر فارغ ہو چکے تھے کہ اونگھ آگئی، ہشیار ہوئے تو فرمایا کہ ایسا معلوم ہوا کہ اس وقت پر ایک لفافہ رکھا ہے جس پر عبدالعزیز لکھا ہے، خواجہ صاحب نے عرض کی ابھی حضرت نے خطوط لکھوائے تھے وہی خیال قائم رہا، ارشاد ہوا ہاں یہ ٹھیک ہے مگر عبدالعزیز نام کیوں ہے، بات ختم ہوگئی، مجلس کے برخاست کے

بعد خواجہ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی عمر کیا تھی؟ میں نے کہا اسی یا اٹھاسی برس یاد آتا ہے، اب دارالمصنفین آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر شریف اکاسی برس کے قریب یعنی اسی برس کچھ مہینے ہوئی ہے، بہرحال اس سے خواجہ صاحب کی نکتہ شناس نظر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تشابہ حال پر پہنچ گئی)

ہر چند یہ تاکید تھی کہ شدت علالت کی اطلاع باہر کسی کو نہ دی جائے، احباب اشارات و تلمیحات اور اصطلاحات سے اپنے متعلقین اور دوستوں کو اطلاع دیتے تھے، غرض یہ تھی کہ زائرین ہجوم نہ کریں، اس پر بھی دور دور سے معتقدین آجاتے تھے، ایک صاحب نے پشاور سے آنے کی اطلاع کرائی، دوسرے نے گورکھپور سے، کسی نے کسی اور دور مقام سے مگر ہر ایک سے یہی ارشاد ہوا کہ اجازت نامہ کہاں ہے، جب وہ معذوری ظاہر کرتے اور اعتراف قصور کرتے تو فرماتے تمہاری غلطی کا خمیازہ میں کیوں اٹھاؤں، پھر حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرمایا ان کو میں محروم کر کے بھی محروم نہیں کرتا ہوں، ایک سبق دے رہا ہوں، پھر اسی معنی کا خواجہ صاحب کا ایک مصرع پڑھا، پھر ارشاد فرمایا کہ ان کے ناکام واپس جانے کا یہ اثر ہوگا کہ اسکو سنکر دوسرے لوگ آنے سے رک جائینگے، اور اس سے ان کو فائدہ پہنچیگا، غرض یہ تھی کہ لوگ اس بیکار کی زحمت اور تکلیف سے خود بھی بچیں اور حضرت کو بھی ہجوم سے بچائیں،

ایک روز بعد مغرب یاد فرمایا اور مشورہ چاہا کہ اشتہا مطلق نہیں اور ضعف بڑھ رہا ہے، گو میں اس کے نتیجہ پر راضی ہوں، مگر بہرحال اگر اس کی تدبیر کوئی ضروری ہو تو کرنا چاہئے، اسی اثنا میں خیال ظاہر فرمایا کہ "لکھنؤ میں ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب (ناظم ندوہ) کو (جو مزاج شناس تھے) لکھا جائے کہ صرف اشتہا پیدا ہونے کے لئے کوئی نسخہ تجویز کریں"، خاکسار نے عرض کی کہ حضرت چار روز خط کے جانے میں اور چار روز آنے میں لگیں گے، اتنی دیر بہت ہے، پھر رائے ہوئی کہ سہارنپور میں کوئی اچھا ڈاکٹر ہو تو بلایا جائے، مگر دوسرے ہی دن مولوی محمد حسن صاحب اور دوسرے احباب لکھنؤ کا خط آیا کہ حکیم عبدالمجید صاحب لکھنوی جن کے علاج سے پہلے بھی فائدہ ہو چکا تھا اگر اجازت ہو تو ان کو لے کر حاضر ہوں، چنانچہ اجازت کا خط لکھا گیا، طالبین کے خطوط بدستور آرہے تھے، لوگ حسب دستور ہدایا منی آرڈر سے بھیج رہے تھے، مگر شدت احتیاط بدستور قائم تھی، اور وہ واپس ہو رہے تھے، مگر اخلاص و محبت کے سرمایہ کو بہت خوشی سے قبول فرما لیتے تھے، ایک قریب کے نواب صاحب کی ایک رقم آئی تو قبول فرما کر ارشاد ہوا کہ ان لوگوں کا ممنون ہوں کہ وہ دے کر الٹے خود ممنون ہوتے ہیں کہ اس نے (اپنی ذات کی طرف اشارہ) قبول کیا، ایک غریب نے کچھ پیش کیا تو اللہ اکبر اس کو آنکھوں سے لگایا،

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

حضرت کو ضبط، صبر، اور استقامت سے اپنی تکالیف ظاہر نہیں فرماتے تھے اور نہ آیندہ کے خطرہ کو

زبان پر لاتے تھے کہ دوسروں کو بے صبری نہ ہو، مگر بات بات سے سفر کی آمادگی ظاہر ہوتی تھی، گو اُنکی زندگی اور طرزِ زندگی جس صفائی، پاکیزگی اور باقاعدگی کی عادی تھی اس کا اثر یہ تھا کہ وقتِ اخیر کے لئے کوئی کام اٹھا نہیں رکھا، کہ سالک کا تو ہر لمحہ کو لمحہ اخیر سمجھتا ہے اور اسی کی تیاری رکھتا ہے یہی حال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تھا، کوئی چیز کرنی باقی نہ تھی، تمام انتظامات، حساب و کتاب اور وصایا سے پوری پوری فراغت تھی، عادت شریف تھی کہ آج کا کام کبھی کل پر اٹھا کر نہیں رکھا، گویا ہر وقت آمادۂ سفر تھے۔

خاکسار کو بھوپال کی مجلس کی تاریخ ۹ کو تار سے معلوم ہو چکی تھی، ۱۰ کو رفیقِ سفر مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا بھی مکرمت نامہ آگیا، ۱۱ کو صبح کی مجلس کے بعد رخصت کی درخواست پیش کی، باایں ہمہ ضعف و قوت لیٹے ہی لیٹے دونوں ہاتھ رخصت کے لئے بڑھائے، حقیر نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر دستِ مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں کو ملا، آہ! کس بلا کا رخصتانہ تھا، فرمایا "جاؤ خدا کے سپرد کیا" یہ لفظ کانوں نے پہلے نہیں سنے تھے، آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور دیر تک چہرۂ مبارک پر جمی رہیں کہ یہ جمالِ جہاں آرا شاید پھر دیکھنے کو نہ ملے، سو ایسا ہی ہوا،

بعد کے اخیر حالات خاکسار کے جانے کے دو ایک روز کے بعد حکیم عبد المجید صاحب تشریف لے آئے اور علاج اپنے ہاتھ میں لیا، پہلے روز عرق دانہ اُتار دیا، دوسرے روز ایک بٹیر کی یخنی دلوائی، تیسرے روز دو بٹیروں کی، مگر حکیموں کی ہر مسیحائی تدبیر محکمۂ تقدیر سے رد ہوتی رہی، حکیم صاحب کا ایک ہفتہ علاج رہا، مگر حالت میں تغیر نہیں ہوا، میں نے بھوپال سے مولانا جمیل احمد صاحب کو طلبِ خیریت کا خط لکھا جس کے جواب میں دوشنبہ کے روز یعنی جس کی آنے والی شب میں وفات ہوئی یہ تحریر فرمایا

"حکیم عبد المجید صاحب آئے تھے، ہفتہ پورا کرکے کل واپس جا رہے ہیں، حکیم سمیع اللہ (حضرت کے خلیفہ حقداد خاں صاحب لکھنوی کے صاحبزادہ) رہیں گے، علاج ان ہی دونوں کا ہے، افاقہ کی صورت نہیں، دست بہت ہیں، ضعف بے حد ہے، سانس میں تکلیف ہے، بائیں پاؤں میں کل سے سخت درد ہے، ہم سب پریشان ہیں" (جمیل احمد، دوشنبہ)

لکھنو میں ثقات سے جو حاضر تھے معلوم ہوا کہ دوشنبہ کے روز دست زیادہ آئے، ظہر کے بعد ضعف زیادہ محسوس ہوا، عصر کے بعد مولانا شبیر علی صاحب کو (جو حضرت کے بھتیجے اور تمام امور خانقاہ و مدرسہ کے مہتمم و متولی تھے) یاد فرمایا، اطلاع دی گئی کہ وہ سہارنپور دوا لانے گئے ہیں، محل خورد سے فرمایا کہ امانتوں کا صندوقچہ اٹھا لو (امانتیں وہ رقمیں تھیں جن کو اہلِ خیر حضرت کو وکیل بنا کر کارِ خیر کے لئے بھیجتے تھے) مختلف تھیلیاں مدار ہوتی تھیں، ایک تھیلی میں بی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ پانچ روپیے ہیں، فرمایا چھ ہوں گے، چنانچہ ہاتھ ڈالا تو ایک روپیہ کا نوٹ اور

نکلا، ارشاد فرمایا کہ یہ کل رقمیں ان کے مالکوں کو واپس کر دی جائیں، یہ اس مسئلہ شرعی پر عمل تھا کہ وکیل یا مؤکل کی موت کے بعد وکالت ختم ہو جاتی ہے اور ملک مالک کے تصرف میں واپس جانی چاہئے، مولانا ظفر احمد صاحب کو کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ایک کاغذ پر یہ بشارت نامہ لکھ کر وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ دیا اور فرمایا میں نے سب کو معاف کیا، میں کسی کی طرف سے کوئی غبار لے کر نہیں جا رہا ہوں،

مغرب کے بعد حالت اور زیادہ نازک ہوئی، سانس کی تنگی محسوس تھی، مولانا ظفر احمد صاحب نے ڈھاکہ واپس جا کر لکھا،

"آپ تھانہ بھون سے بھوپال گئے اور یہاں سخت بھونچال آگیا کہ حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے دار البقا کی طرف ارتحال فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون،

کادت لها شم الجبال تزول

یہ ناچیز اخیر وقت تک حاضرِ خدمت رہا، دل پر تیجر رکھ کر بیٹھا رہا، قلب اطہر کی طرف متوجہ رہا، تنگی رفع کرنے کے لئے آبِ زمزم دیتا رہا، یہاں تک کہ آخری سانس میرے سامنے ختم ہوا، یٰسین اور کلمہ کی تلقین کرتا رہا، غسل بھی دیا، نماز بھی پڑھائی،

رات کے دس بجے تھے کہ عشاء کی نماز کے لئے خدام قریب کی حوض کی مسجد میں گئے کہ اسی اثناء میں وہ دم آگیا جس دم کے لئے ہر دم تیاری رہتی تھی، اور ودیعۂ حیات کی آخری سانس اس دنیا میں لیکر واصل بحق ہوئے، اللّٰھم انزل علیہ شآبیب رحمتک وارفع درجاتہ وارزقنا من برکاتہ

اس وقت خدام خاص کی کیفیت خیال کے قابل ہے جو ایک طرف اپنے محبوب کے فراق میں بیقرار تھے اور دوسری طرف مقامِ صبر و رضا کی تعلیم سے بہرہ ور تھے، اور حق تھا کہ حضرت سرور انبیا سید الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں وہی کہیں جو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محبوب فرزند ابراہیم کی وفات کے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ" اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں، لیکن زبان سے ہم وہی کہیں گے جس میں ہمارے پروردگار کی رضامندی ہو" تاکہ محبت اور تسلیم و رضا دونوں کا حق ادا ہو،

تجہیز و تکفین کے متعلق یہی فیصلہ ہوا کہ صبح کو ہو، صبح کے وقت خبر کے لئے دو آدمی سہارنپور بھیجے گئے، ایک مدرسہ مظاہر العلوم میں جس سے حضرت کو بہت روحانی تعلق تھا اور دوسرا سہارنپور کے احباب کے پاس، اس صبح کی جانے والی اور آنے والی گاڑیوں میں آدھ ہی گھنٹہ کا فصل ہوتا ہے، اس لئے جو لوگ سنتے کے ساتھ جس حال میں تھے اسی حال میں چل پڑے وہ تو پہلی گاڑی سے روانہ ہو سکے، مگر اس کے بعد بھی سیکڑوں آدمی اسٹیشن پر پہنچ گئے، چنانچہ دوسری اسپیشل ٹرین چھوڑی گئی اور قریب ڈیڑھ ہزار آدمی کے جنازہ کے وقت تک پہنچ سکے،

حضرت نے ہر چیز کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا، یعنی ایک زمین لے کر اس کو تکیہ یا قبرستان خاص

بنا کر وقف کر دیا تھا، ایک مختصر سے احاطہ کے اندر ایک زمین گھیر دی گئی تھی جس میں کچھ درخت بھی
لگا دیئے گئے تھے، چھوٹی سی مسجد اور ایک مختصر سا سائبان بھی اس میں ہے، اسی میں دوسرے
اعزہ اور خدام بھی آسودہ ہیں، اسی کے بیچ میں اس مخدوم کی استراحت ابدی کے لئے زمین چنی گئی،
جنازہ کی نماز کے لئے مولانا شبیر علی صاحب نے مولانا ظفر احمد صاحب کو اشارہ کیا، مجھے
معلوم ہوا کہ پہلے تو مولانا ظفر احمد صاحب نے تواضع کرنا چاہا، مگر انھیں اپنا خواب یاد آیا تو آگے
بڑھ گئے اور نماز جنازہ ادا کی، میں نے سنا کہ مولانا ظفر احمد صاحب ڈھاکہ میں تھے اور حضرت کی
شدت علالت کی خبریں جا رہی تھیں اور گھر سے آنے کے لئے شدید تقاضا بھی ہو رہا تھا تو انھوں نے
خواب دیکھا کہ وہ تھانہ بھون پہنچے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت بہت خوش ہوئے
اور فرمایا کہ ایک نماز پڑھانے والا آگیا،

یہ واقعات تھانہ بھون میں ۱۹، اور ۲۰ جولائی کو پیش آئے مگر باہر والوں کو اطلاع دو دن بعد
ملی دہلی میں ۲۱ کو اور لکھنؤ میں ۲۲ کو مذہبی حلقوں میں اور عربی مدرسوں میں سناٹا چھا گیا،
خاکسار اب تک بھوپال میں تھا، عنایت الٰہی دیکھئے کہ عین شب وصال کو خواب دیکھا کہ مولانا
شبیر علی صاحب مجھ سے فرما رہے ہیں کہ حضرت مولانا کو پوری صحت ہو گئی، صبح اٹھ کر میں نے حضرت
مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب سے یہ خواب بیان کیا، دونوں چپ رہے، مفتی صاحب
۲۱ جولائی کو اور خاکسار ۲۲ جولائی کو بھوپال سے روانہ ہوئے، میں ۲۳ کی دوپہر کو لکھنؤ پہنچا
اور ندوہ آیا، حادثہ سے بالکل بے خبر تھا، مدرسہ پہنچنے کے ساتھ میرے بچہ سلمان سلمہ نے سب
سے پہلے خبر دی، اور اتفاق دیکھئے کہ بھوپال سے خط تو میں نے خیر خیریت کے لئے مولانا جمیل احمد
کو لکھا تھا، چنانچہ انھوں نے دوشنبہ کے روز شدت علالت اور مایوسی کی اطلاع لکھی، اور اس کی
دوسری طرف بلا توقع مولانا شبیر علی صاحب کے قلم کی عبارت یہ تھی،

حضرت مخدوم معظم دام ظلکم العالی، السلام علیکم و رحمۃ اللہ،
بعد تحریر خط ہذا ۱۹ و ۲۰ جولائی کی درمیانی شب میں حضرت والا کا وصال ہو گیا، انا
للہ وانا الیہ راجعون، بجز اطلاع کے اور کیا عرض کر سکتا ہوں، کیونکہ الفاظ اظہار
کے لئے نہیں ملتے،

مصیبت زدہ شبیر علی عفی عنہ از تھانہ بھون،

۲۴ کو سہارنپور اور دہلی سے مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور
اور مولانا الیاس صاحب کاندھلوی لکھنؤ دار العلوم میں آئے تو مزید اطلاعات اور تفصیلات
معلوم ہوئیں، ۲۶ جولائی کا لکھا ہوا مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا غم نامہ ملا،

مکرم محترم، دامت معالیہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید ہے کہ آپ بھوپال سے واپس آگئے ہوں گے
میں نے دہلی پہنچ کر حضرت مولانا تھانوی کے وصال کی خبر سنی، آنکھوں کے نیچے اندھیرا
چھا گیا، فوراً یاد آیا کہ جس شب کو مولانا نے دنیا کو چھوڑا، یعنی دوشنبہ سہ شنبہ کی درمیانی
شب اسی رات کی صبح کو جناب نے بھوپال میں مجھ سے ذکر کیا تھا کہ آپ نے مولوی
شبیر علی صاحب کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں حضرت مولانا بالکل صحتیاب
ہو گئے، آپ کا خواب سچا ہوا، مولانا نے دنیاوی تکالیف سے بالکل صحت پائی،
اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ رحمۃ
واسعۃ واسکنہ الفردوس الاعلی، ہندوستان ایک حکیم الامۃ مجدد الملۃ
سے محروم ہو گیا؛

حضرت کے ایک خلیفہ جن کو صدق رویا کی نعمت ملی ہے، وصال کی دوسری یا تیسری
شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت فرما رہے ہیں کہ میرے فیوض اب بھی جاری رہیں گے، اللہ
تعالیٰ نے مجھے مقام شہداء فرمایا یا مقام شہود عطا فرمایا، حضرت نے اسہال کے مرض سے وفات
فرمائی، اور حدیث نبوی ہے کل مبطون شہید، پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے،
مجھ سے مولوی محمد حسن صاحب کاکوروی (علیگ)، مالک انوار المطابع لکھنؤ نے جو حضرت کے
خدام قدیم میں سے ہیں بیان کیا اور انھوں نے خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری بی اے (علیگ)
سے سنا ان کو چھوٹی پیرانی صاحبہ سے معلوم ہوا (خواجہ صاحب کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں) کہ جس وقت روح
مبارک پرواز کر رہی تھی حضرت کے داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کے بیچ میں
ایک نگینہ سا چمکتا معلوم ہوتا تھا جس کو انھوں نے دیکھا اور دوسری عورتوں نے بھی دیکھا،"
محرم خاص حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ چونکہ جو نور ہدایت حضرت کے ذریعہ پھیلا وہ
زیادہ تر ان کی انگلیوں یعنی تصنیفات کے ذریعہ سے پھیلا، اس لئے وہ نور انگلیوں ہی کے
درمیان متشکل ہو کر نظر آیا، واللہ اعلم بالصواب،

حضرت کے بہت سے محبین کی طرح ایک محب خاص مولانا مسعود علی صاحب ندوی کو اس
عقیدت وعظمت کی بنا پر جو ان کے دل میں تھی حضرت کی مغفرت کے لئے دعا مانگتے ہیں دلی
کشمکش محسوس ہوتی تھی، انھوں نے خواب دیکھا کہ وہ خانقاہ تھانہ بھون میں حاضر ہیں کہ دفعۃً حضرت
تشریف لے آئے اور ان سے فرمایا کہ میری صحت کے لئے دعا مانگا کرو،

حل ایں نکتہ ہم از روئے نگار آخر شد

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایک کامل زندگی کو جو کمال زہد و ورع، کمال اتباع شرع، کمال اتباع سنت کے ساتھ تھی، اس زمانہ میں نمونہ کے لئے پیدا کیا، وہ آئی اور ساٹھ برس کے مجاہدہ کا نمونہ دکھا کر واپس گئی، رحمہ اللہ تعالیٰ وادخلہ اعلیٰ علیین، وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامین وآلہ واصحابہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین،

ہیچ میرز و ہیچ مدان

سلیمان

۸ - شعبان ۱۳۶۲ھ

دار المصنفین اعظم گڈھ

اشعارِ حُزنیہ

از مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، استاذ عربی، ڈھاکہ یونیورسٹی

جو تھانہ بھون سے ڈھاکہ جاتے ہوئے راستہ میں بے اختیار ان کی زبان پر آگئے، "نس"

وہ حکیم امت مصطفیٰ، وہ مجدد طرق ہدیٰ — "وہ جو بانٹتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے"

اشرف علی مہ اتقیا، شمس المعارف والتقیٰ — جو عمل سے اپنے نمونۂ عملِ صحابہؓ دکھا گئے

وہ جو پردگی پردہ ہوئے رخِ معرفت پہ صدی سے تھے — بکمالِ شان مجددانہ سب ایک دم سے اٹھا گئے

ہمیں ضبطِ وقت بتا گئے، ہمیں ربطِ قلب سکھا گئے — وہ سبق جو ہم نے بھلا دیا تھا دوبارہ ہم کو پڑھا گئے

کسے وہم تھا کہ نہ ہوں گے وہ، کسے تھا گماں کہ رہیں گے ہم

ظفر آہ کیسے گئے ہیں وہ کہ چراغ دل ہی بجھا گئے

مقالات

تاریخ افکار وسیاسیاتِ اسلامی

از شاہ معین الدین احمد ندوی

ہندوستان کے سیاسی حالات اور موجودہ دور کے انقلابی خیالات کے اثر سے یہان کے نوجوانون مین ایک عام بیداری، موجودہ حالت سے بیزاری اور ایک عام ذہنی انقلاب کے آثار نمایان ہین، مسلمان نوجوان بھی اس اثر سے مستثنیٰ نہین لیکن ان دونون کے مقاصد اور نصب العین مین فرق ہے، دوسری قومون کا نصب العین خالص سیاسی ہے، بلکہ ان کا دین ومذہب سیاست ہی، اور اس راہ مین ان کے لئے اور کوئی شے عنان گیر نہین اس لئے وہ کسی دوسرے پہلو کا لحاظ کئے بغیر اس کے حصول کے لئے تیزی سے گامزن ہین، لیکن مسلمانون کی حالت اس سے مختلف ہے، ان کا اصل مقصود دین ومذہب ہی، اور سیاست اس کے تحفظ وبقا کا ذریعہ اور وسیلہ ہی اور اصل کا تحفظ وسیلہ پر مقدم ہے، مسلمان نوجوانون کی اکثریت کو گو عملاً دین ومذہب سے کوئی علاقہ نہین، وہ سیاسی رو کے ساتھ بھی چلی جارہی ہی لیکن ان مین ایک جماعت ایسی بھی ہے، جو دین کے دائرہ مین رہ کر اور اپنے مرکز سے تعلق قائم رکھتے ہوئے تغیر وانقلاب چاہتی ہے، کتاب تاریخ افکار وسیاسیات اسلامی کے مصنف جناب عبد الوحید خان صاحب بھی انہی مین ہین، اور اسی مقصد کے پیش نظر انھون نے مذکورۂ بالا کتاب لکھی ہی، اس مین انھون نے مسلمانون کی سیزدہ صدسالہ تاریخ پر تبصرہ کرکے ان کے عروج وزوال کے اسباب دکھائے ہین، مصنف کا یہ جذبہ قابلِ قدر اور لائقِ ستایش ہے، جو کام علمائے کرام کے کرنے کا تھا، اس کو ایک نئے تعلیم یافتہ نوجوان

نے انجام دینے کی ہمت کی، اور اپنی بساط کے مطابق اسکو انجام دیا، لیکن ہر کام کے کرنے کے لئے کچھ اوصاف و شرائط کی ضرورت ہے، دنیا کا ہر شخص ہر کام انجام نہین دے سکتا، ایک وکیل ایک طبیب کا کام نہین کر سکتا، ایک طبیب ایک معلم کے فرائض انجام نہین دیسکتا، یہ کام درحقیقت ان صاحبِ فکر و نظر علماء کا ہے جو دین مین پوری بصیرت کے ساتھ مسلمانون کے عروج و زوال کی تاریخ پر نظر رکھتے ہون، اور برسون ان مسائل پر غور و فکر کیا ہو، تنہا مذہب کا علم بھی اس کے لئے کافی نہین ہے، ہر پہلو پر نگاہ اور غور و فکر کے بغیر اس قسم کے اہم اور نازک مسائل کی سربراہی مین فائدہ کے مقابلہ مین ضرر کا پہلو زیادہ ہے، ایک نازک مریض کے علاج کے لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، اگر طبیب کو مرض کی نزاکت اور مریض کے مزاج کا پورا اندازہ نہین ہے، تو ممکن ہے ایک مرض کی دوا کسی دوسرے پہلو سے مزاج کے خلاف پڑ جائے، اور فائدہ کے بجائے الٹا نقصان پہنچ جائے، اس مین اچھے اچھون کو دھوکا ہو جاتا ہے جس کی مثالین کمیاب نہین، ایک مبصر کی نگاہ ضرر کے پہلوؤن پر بھی رہتی ہے، اسلئے وہ اصلاح کی تجویز کیساتھ ضرر سے تحفظ کا بھی لحاظ رکھتا ہے،

مصنف کی نگاہ چونکہ مذہب اور اسلامی تاریخ پر نہین ہے، اور نہ ان کو ان مسائل پر غور و فکر کا موقع ملا ہے، بلکہ محض وقتی حالات اور سرسری معلومات کی بنیاد پر انھون نے یہ کتاب لکھی ہے، اس لئے حُسنِ نیت کے باوجود ان سے بکثرت غلطیان ہوئی ہین، سب سے بڑی غلطی یہ ہے، کہ انھون نے مضرتون کے پہلو کو نہین بچایا ہے، جس سے یہ کتاب اصلاح کے بجائے تخریب کا ذریعہ بن گئی ہے،

انھون نے اس کتاب مین مسلمانون کے جمود اور زوال کے جو اسباب دکھائے ہین، ان سے کسی کو انکار نہین، بلاشبہہ ان کے عقائد و خیالات، مذہب، و سیاست، تہذیب، معاشرت اور علوم و فنون وغیرہ مین غیر قومون کے اثرات اور خالص اسلامی تعلیمات سے دوری کو ان کے زوال مین بہت بڑا دخل ہے، لیکن ان بیرونی اثرات کی تشخیص و تعیین ایک مبصر کا کام ہے، جو اصل اور بدعات مین امتیاز کر سکے، ایسا نہ ہو کہ ناواقفیت یا اپنے ذوق اور اپنے مصالح کی بنا پر اصل کو بھی بدعت قرار دیدے، علمائے اسلام نے اس قسم کے بیرونی اثرات کو

خود بدعات کے نام سے الگ کر دیا ہے، اور ہر دور کے مجددین و مصلحین اسکی اصلاح و تجدید کی کوشش کرتے رہے، امام احمد بن حنبل، امام ابوالحسن اشعری، امام غزالی، ابن تیمیہ، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، شیخ محمد ابن عبد الوہاب نجدی، حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید نے اپنے اپنے زمانہ کے حالات اور ضرورت کے مطابق زبان و قلم اور تلوار سے بدعات کی اصلاح کی کوشش کی،

دوسرا نقص یہ ہے کہ مصنف نے جس غلطی یعنی مسلمانون کے عقائد و خیالات مین بیرونی اثرات کی اصلاح کے لئے یہ کتاب لکھی ہے، اس مین وہ خود دانستہ یا نادانستہ مبتلا ہو گئے، اور جس طرح دور جدید کے بعض مصلحین نے مغربی اثرات، نئے علوم و فنون، نیچر پرستی، تمدن نوازی اور آزادی خیال وغیرہ کے زیر اثر، اسلام کی تفسیر کی تھی، اسی طریقہ سے مصنف نے موجودہ سیاسیات کے تحت مین اسلام کو پیش کیا ہے، چنانچہ کلام مجید کی تفسیر اور حدیث کے مباحث مین بیشتر خیالات ان کے پیشروؤن کی کتابون سے ماخوذ ہین، مصنف نے سیاسی خیالات کے ماتحت اسلام کا ایک خاص سیاسی تصور قائم کیا ہے، اور پھر اس کے مطابق اسلامی افکار کی تعبیر کی ہے، اور ان کے گمان مین اس کے خلاف غیر قومون کے عقائد و خیالات کی آمیزش کے جو رطب و یابس واقعات اور اثرات و نتائج ان کو مل سکے ہین، ان کو نقل کر دیا ہے، ان مین اگرچہ بعض باتین صحیح ہین، لیکن زیادہ تر مصنف کی ناواقفیت، ان کی خوش فہمی اور غلط استنباط کا نتیجہ ہین، اس لئے اس کتاب سے اسلامی افکار کی نہایت غلط یا کم از کم یک رُخی تصویر سامنے آتی ہے، اگر یہ غلطیان محض تاریخی واقعات تک محدود ہوتین، تو چندان مضائقہ نہ تھا، لیکن اس مین اسلامی تعلیمات کی غلط تعبیرین، قرآن و حدیث کے متعلق غلط بیانات، تاریخِ اسلام کے متعلق غلط واقعات اور مختلف قسم کی غلطیان ہین، اور اس کتاب کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد سے تمام مسلمان جن مین سلاطین و امرا سے لیکر ائمہ اور صوفیہ تک شامل ہین، اسلام کی تخریب ہی کرتے رہے، اور تیرہ سو برس کے بعد اب جا کر مصنف پر اس غلطی کا انکشاف ہوا، تاریخِ اسلام کے متعلق اسی قسم کے غلط معلومات سے مسلمانون کے مخالفین ناجائز فائدہ اٹھاتے ہین، اور اسلام اور مسلمانون کو بدنام کرتے ہین،

اس لئے اس کتاب پر تبصرہ ضروری معلوم ہوا لیکن اسکی پوری تفصیل کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، اس لئے اس تبصرہ میں محض موٹی موٹی غلطیون کو امکانی اختصار کے ساتھ دکھانے کی کوشش کیجائیگی، اس کتاب کی تنقید مین ایک بڑی دشواری یہ پیش آئی، کہ مصنف نے ماخذون کے حوالے بہت کم دیئے ہین، اور اکثر ناتمام ہین، یعنی محض کتاب کا نام دے دیا گیا ہے، اس لئے واقعات کی تلاش مین بڑی زحمت اٹھانی پڑی، بہت سے واقعات تو تلاش کے باوجود نہین ملے، اس لئے انھین مجبوراً قلم انداز کرنا پڑا، کتاب کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) اسلام کا نصب العین حکومت الٰہیہ کا قیام تھا، جسے خلافتِ راشدہ کے بعد ہی مسلمانون نے شخصی حکومت سے بدل دیا، اس لئے اسلامی حکومت اور اس کے حکمرانون مین شخصی حکومت کی تمام برائیان پیدا ہوگئین، (۲) کلام مجید کی تفسیر اور حدیث مین اسرائیلیات اور دوسری بیرونی آمیزش نے اسلامی تعلیم کی اصلی صورت مسخ کردی (۳) فقہار کی تنگ دلی نے اجتہاد کا دروازہ بند کرکے مسلمانون مین جمود پیدا کر دیا، اور فقہ کو جنگ و جدل کا ذریعہ بنا دیا (۴) فلسفہ کے اثر اور علم کلام کی پیدایش سے اسلامی علوم و فنون اور مسلمانون کے عقائد مین غیر قومون کے عقائد و خیالات شامل ہوگئے، جن کے بُرے نتائج نکلے، ان مباحث مین ان علوم کی مختصر تاریخ بھی ہے (۵) خلفاء نے بیت المال کا غلط استعمال کیا (۶) تصوف کی حقیقت اور اس مین بیرونی اثرات کی پیدا کردہ خرابیان (۷) علمائے سوء اور گمراہ صوفیہ کا فتنہ (۸) مجددین کی اصلاحی کوششین (۹) مسلمانون کے سیاسی زوال کی تکمیل (۱۰) اسلام اور مغربی تمدن کا تصادم اور مغربی تمدن کی ناکامی،

یہ کتاب کے مباحث کا مختصر خلاصہ ہے، ہر بحث مین بہت سی شاخ در شاخ بحثین ہین جن کا آئندہ سطرون مین جائزہ لینا ہے، جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ کتاب سیاسی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے، اور اس کا بنیادی تخیل سیاست ہے، اسی پر تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی کی ساری عمارت کھڑی کی گئی ہے، اس لئے مصنف نے کتاب کا آغاز حکومت الٰہیہ سے کیا ہے اور اسکی مناسبت سے اسلام اس کے نصب العین، ایمان اور کفر و شرک کی نئی تعبیرین کی ہین، چنانچہ لکھتے ہین:

اسلام کا نصب العین

"اس زمین پر بسنے والے انسانون مین تمام غیر الٰہی اختیارات اور انسانون کے خود ساختہ قوانین کو ختم کرکے صرف حکومت الٰہیہ کا قیام کرنا ہی اسلام کا واحد مقصد ہے (صفحہ)

اسلام

"اسلام نام ہے اس یقین انگیز ایمان پرور اور باطل شکن تحریک کا جس مین انسان اپنی جماعتی و انفرادی زندگی کے ہر پہلو مین صرف حکومتِ الٰہیہ کو اپنا نصب العین بنائے اور تمام غیر الٰہی حکومتون سے قطع تعلق کرے، (ص ۵)

ایمان

"اسی طرح خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر شارع اسلام کی رہنمائی مین ثابت قدمی سے چلنے اور تمام شکوک و شبہات کو دور کرکے محض حکومتِ الٰہی کی اطاعت کا نام ایمان ہے، نہ کہ صرف زبان سے اقرار کر لینے کا" (ص ۶)

شرک

قرآن کریم کا ہر لفظ شاہد ہے، کہ شرک خدا کی صفات تکوینی و تخلیقی مین کسی دوسری طاقت کو شریک کرنے ہی کا نام نہین ہے، بلکہ اس کے قوانین اسکی محبت اس کے مقرر کردہ پروگرام کے مطابق بنی ہوئی حکومت کے مقابلہ مین کسی دنیاوی طاقت کی اطاعت، اطاعت طاغوت و عبادت شیطان اور کھلا ہوا شرک ہے، اور اس اطاعت کو اپنا شعار بنانے والی جماعت یا قوم مشرک ہے، خواہ اس کے افراد کتنی ہی ظاہری عبادت کیون نہ کرین صفحہ)

اولاً حکومتِ الٰہیہ کی اصطلاح بہت مبہم اور تشریح طلب ہے، محض اسکی بنیاد پر آئندہ عمارت کھڑی کرنے کے لئے قرآنی اصطلاح کے بجائے حکومتِ الٰہیہ کی نئی اصطلاح استعمال کی گئی ہے، اور قرآن و حدیث

کے بتائے ہوئے اسلام ایمان، شرک میں اپنی خود ساختہ تعریفون کو الفاظ کے طلسم مین اس ہوشیاری کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے، کہ صریح گرفت نہ ہوسکے، لیکن یہ تمام تعبیرین قرآن کے خلاف ہین، قرآنی اصطلاح مین اسلام نام ہے اپنی ہستی کو خدا کے حوالہ کر دینے اور اس کی کامل اطاعت و فرمانبرداری کا،

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ، (نساء)

اور اس سے اچھا کس کا دین ہے، جس نے اپنے رُخ کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنا دیا، اور وہ نیکوکار رہے،

وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ (زمر)

اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو، اور اس کے فرمانبردار بنو،

وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (انعام)

اور ہم کو حکم دیا گیا ہے، کہ ہم جہان کے پروردگار کے فرمانبردار ہین،

فَاِنْ حَاجُّوْکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ لِلّٰہِ (آل عمران)

پس اگر وہ تجھ سے جھگڑا کرین، تو کہہ دے کہ مین نے اپنا رُخ اللہ کے تابع فرمان کر دیا،

اسی طریقہ سے ایمان نام ہے خدا کی توحید، اس کے رسولون، اس کے فرشتون، اسکی کتابون اور روز قیامت پر یقین کا،

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا، (نساء ۲۰)

اے وہ لوگ جو ایمان لاچکے، ایمان لاؤ خدا پر اور اس کے رسول پر اور اسکی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری اور جو شخص خدا کا اور اس کی کتابون کا اور اوس کے رسولون کا اور یوم آخرت کا انکار کرے گا وہ سخت گمراہ ہوگا،

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ.......

جو لوگ غیب پر ایمان رکھتے ہین،......

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ (بقرہ-۱)

اور جو تم پر اترا اور تم سے پہلے کے پیغمبرون پر اترا، اس پر ایمان رکھتے ہین اور آخرت پر یقین رکھتے ہین،

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ، (بقرہ-۴۰)

پیغمبر پر جو کچھ اتارا گیا، اس پر وہ خود اور تمام مومنین ایمان لائے، سب خدا پر، اس کے فرشتون پر، اس کی کتابون پر اور اوس کے رسولون پر ایمان لائے،

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان نام ہے صرف پانچ چیزون پر یقین کا،

اسی طرح شرک نام ہے صرف خدا کی توحید، اس کی عبادت اور اس کے صفات مین دوسرے کو شریک کرنے کا،

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ وَلَآ اُشْرِکَ بِہٖ اِلَیْہِ اَدْعُوْا وَاِلَیْہِ مَاٰبِ (رعد)

کہدو کہ مجھکو حکم دیا گیا ہے کہ مین اللہ کی عبادت کرون اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤن، اسی کی طرف بلاتا ہون اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے،

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا

اور اللہ کے سوا کسی ایسی چیز کو نہ پکارو جو تم کو نہ نفع پہنچا سکے، اور نہ نقصان، اگر تم نے

مِنَ الضَّالِّيْنَ، (یونس)	ایسا کیا تو بیشک گمراہون مین سے ہوگے،
مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً	اور تم اس کے (خدا) سوا جس کو پوجتے ہو،
سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ	وہ صرف نام ہین، جو تم نے اور تمھارے باپ
اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ،	دادون نے رکھ لئے ہین، اللہ نے ان کے بارہ
(یوسف)	مین کوئی سند نہین اتاری ہے،
وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا	اور وہ اللہ کے سوا اوس کو پوجتے ہین جو
يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ	نہ ان کو نقصان پہنچا سکتے ہین اور نہ نفع،
هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ	اور کہتے ہین کہ یہ اللہ کے یہان ہمارے سفارشی
اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي	ہین، اے نبی کہہ دو کیا تم اللہ کو اس بات
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ	کی خبر دیتے ہو، جسے وہ نہ آسمان مین جانتا ہے
وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ،	اور نہ زمین مین، وہ پاک ہے اور ان کے
(یونس)	شرک سے بالاتر ہے،

کلام مجید مین شرک کے متعلق جتنی آیات ہین، ان مین سے کسی مین مصنف کے تصنیف کردہ شرک کا پتہ نہین، شرک نام ہے صرف خدا کی ذات وصفات مین شریک ٹھہرانے کا، مصنف نے شرک کے جو معنی بیان کئے ہین، وہ مجازی اور ثانوی ہو سکتے ہین حقیقی نہین، مجازاً ایسی دنیاوی طاقت کے سامنے بہ انشراح قلب جھکنے کو بھی شرک کہہ سکتے ہین، جو خدا کی معصیت پر مجبور کرے، مصنف کی تعمیم سے تو درندے اور زہریلے جانورون سے خوف بھی ایک گونہ شرک ہے، کیونکہ جب دل مین خدا کا خوف ہو اس مین کسی دوسرے کا خوف لانا شرک ہے، حالانکہ ایسا خوف طبعی شرک نہین، مصنف نے چونکہ حکومت الٰہیہ کو اسلام کا اصل الاصول قرار دیا ہے اسلئے انھین اسلام شرک اور ایمان کی تعریف مین بھی اسکے لوازم کا

لحاظ رکھنا پڑا، لیکن حکومت الٰہیہ کی مجمل اصطلاح خود تشریح طلب ہے، مصنف کی لفاظی کو چھوڑ کر اس کے دو معنی ہو سکتے ہین، ایک خدا کے احکام کی مطلق پابندی اور اوس کی رضا کے حصول کی سعی، دوسرے خلافت ارضی کا قیام، اور اس کے ذریعہ احکام اسلامی کا اجرار، مصنف کی مراد آخر الذکر ہے، اس سے انکار نہین کہ خلافت الٰہی کا قیام نہ صرف اسلام، بلکہ تمام مذاہب حقہ کا ایک بڑا مقصد رہا ہے، اور روے زمین کے سب سے پہلے پیغمبر (حضرت آدمؑ) استخلاف فی الارض کے منصب سے گرانبار ہو کر آئے لیکن اسی کو اسلام یا دوسرے مذاہب کا مقصد وحید قرار دینا صحیح نہین ہے، درحقیقت خلافت الٰہیہ ایک بڑے مقصد یعنی روے زمین مین خدا کے احکام کے قیام ونفاذ کا ذریعہ اور ایک سبب یعنی ایمان وعمل صالح کا نتیجہ ہے، مصنف نے ذریعہ اور نتیجہ کو اصلی نصب العین قرار دے دیا، خدا نے اپنے نیک اور صالح بندون کے اعمال صالحہ کے صلہ مین انکو زمین کی حکومت دینے کا وعدہ کیا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ خدا کا دین قائم ہو، اور وہ بے خوف وخطر خدا کی عبادت کر سکین،

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا	تم مین سے جو لوگ ایمان لائے، اور اچھے عمل
الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ	کئے، ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ اس کو زمین
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ	کا حاکم بنائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگون
لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى	کو حاکم بنایا، اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ	اسکو انکے لئے جمادے گا، اور ان کے خوف کے
اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا	بعد ان کو امن سے بدل دیگا، تاکہ وہ میری
(نور - ۷)	عبادت کرین، اور کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرائین

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ	اگر ہم ان کو روے زمین پر جما دین تو وہ نماز

نمازین پڑھین زکوٰۃ دین اور خدا کے احکام کا نفاذ کرین،

وَاٰتَوُا الزَّکوٰۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ (حج - ۶) — قائم کرین، زکوٰۃ دین، اچھے کامون کا حکم دین، اور بُرے کامون سے روکین، اور ہر کام کا انجام خدا کے اختیار مین ہے،

اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء) — بیشک زمین کے وارث میرے نیکو کار بندے ہون گے،

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت اسلام کا اصل مقصود اور نصب العین نہین ہے، بلکہ وہ مومنین کے اعمال صالحہ کا نتیجہ، اور خدا کے احکام کے نفاذ کا ذریعہ ہے، البتہ خدا کے تمام احکام کا اجرار بغیر حکومت کے نہین ہو سکتا، اس لئے اسلام کی صحیح تشکیل و تعمیل کے لئے اس کا وجود ضروری ہے، دنیا کی تاریخ مین پہلے حکومت وجود مین آئی ہے، اس کے بعد توانین بنے ہین لیکن اسلام کا قانون پہلے بنا، اور حکومت بعد مین وجود مین آئی، اس سے بھی معلوم ہوا کہ حکومت اسلام کی صحیح تشکیل و تعمیل کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے، اصل مقصود نہین، مسلمان کے ہر کام کا مقصود تو ایک ہی ہے اور وہ رضائے الٰہی کا حصول ہے، رضائے الٰہی کا پرتو اس دنیا مین بھی اور آخرت مین بھی، اس دنیا مین رضائے الٰہی کا مظہر صلاح و فلاح اور استخلاف فی الارض ہے، اور آخرت مین نعیم جنت جس کی حد و پایان نہین،

اسلام کے نصب العین کے بارہ مین مصنف کے اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک مسلمانون کے لئے دنیا مین رہنے کی دو ہی شکلین ہین، یا حکومت قائم کر کے دار الاسلام بنائین، یا پھر ارض اسلام مین ہجرت کر جائین، دار الحرب مین رہنا اور غیر اسلامی حکومت سے تعاون کرنا ان کے لئے حرام ہے، چنانچہ لکھتے ہین:

خلافت راشدہ کے بعد سے آج تک علمائے اسلام (باستثنائے چند ائمۂ حق) نے صرف زبان سے خالق ارض و سما کی ہستی کے اقرار کو توحید و ایمان سمجھکر ہر غیر الٰہی حکومت کیساتھ تعاون و اطاعت کو جائز قرار دیا، اور اس غیر اسلامی نظام کو دار الامن سے تعبیر کیا، حالانکہ خدا نے دار الاسلام اور

دار الحرب کے درمیان کوئی تیسری راہ مومن کے لئے نہین بتلائی ہے"

جس پرواز تخیل کے لئے عمل کی قید نہ ہو اس مین انسان آزاد ہے جو چاہے زبان سے کہدے، ورنہ دارِ عمل سے محسوس ہوتی ہے، ایک طرف تو لائق مصنف کی حمیت دینی دار الاسلام اور دار الحرب کے علاوہ کوئی تیسری شکل کو گوارہ نہین کرتی، دوسری طرف وہ ہندوستان مین ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے، اور شاید غیر اسلامی نظام کی عدالتون مین پریکٹس بھی کرتے ہون، یا غیر الٰہی قانون کے مطابق بامن و امان تجارت مین معروف ہون، اور غالب کابل یا ٹرکی کو ہجرت کر جانے کا عزم بھی نہ رکھتے ہون،

درحقیقت یہ بڑا اہم اور نازک مسئلہ ہے، بلاشبہہ ممکنہ حد تک اسلامی حکومت کے قیام کی کوشش ہر مسلمان کا فرض ہے لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو جیسا کہ اس وقت ہندوستان مین ہے، اس وقت کیا صورت اختیار کیجائے ظاہر ہے کہ مصنف کے نزدیک ہندوستان دار الحرب ہے، اس لئے ان کے اصول کے مطابق یا انھین جہاد کرنا چاہئے یا ہندوستان سے ہجرت کر جانا چاہئے، پھر دشواری یہ ہے کہ اس وقت دنیا مین کہین بھی صحیح معنون مین اسلامی حکومت نہین اس لئے

جو ہجرت کر کے بھی جائین تو خانصاحب کہان جائین

اور اگر ہو بھی تو آٹھ کروڑ مسلمانون کو کون سا ملک اپنے یہان جگہ دے گا، درحقیقت فقہا نے اسی قسم کی صورت حال کے لئے تیسری شکل دار الامن کی نکالی تھی، ورنہ آج مسلمانون کے لئے عرصۂ زمین تنگ ہو جاتا، اور یہ انکی خود ساختہ نہین ہے، بلکہ عہدِ رسالت مین اس کی مثال موجود ہے، آنحضرت صلعم کی مکی زندگی مین جب اسلام جرم قرار پایا، اور کفار مکہ نے اپنے مظالم سے مسلمانون پر مکہ کی سرزمین تنگ کر دی، اس وقت مسلمانون نے جس سرزمین کی جانب ہجرت کی تھی، وہ کوئی دار الاسلام نہین، بلکہ حبشہ کا ملک تھا، جہان عیسائی حکومت تھی، صرف فرق یہ تھا کہ یہان مسلمان نسبۃً آزادی سے اپنے مذہبی فرائض ادا کر سکتے تھے، اور کفار کے شر سے محفوظ تھے، البتہ مسلمانون نے اس گوشۂ عافیت پر قناعت نہین کی، بلکہ جب انکو

قدرت اور طاقت حاصل ہوئی، اس وقت انھون نے اسلامی حکومت قائم کردی، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ مسلمانون کو اسلامی حکومت کا قیام ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے، لیکن جب تک یہ صورت ممکن نہ ہو اس وقت تک وہ ایسی سرزمین مین رہ سکتے ہین جہان ان کو گونہ مذہبی آزادی حاصل ہو،

غیر اسلامی حکومت سے تعاون اور اسکی اطاعت بھی تشریح طلب ہے، ہر تعاون اور اطاعت معصیت نہین ہے، پھر تعاون و اطاعت مین فرق ہے، تعاون سے مراد روزانہ کی زندگی مین ایک دوسرے کے کام آنا، یہ معصیت نہین بلکہ معاشرتی زندگی کی ناگزیر ضروریات مین سے ہے، البتہ تعاون علی الاثم والعدوان نہ ہونا چاہئے، مشترکہ مفاد کے لئے بھی تعاون کوئی گناہ نہین ہے، بلکہ بعض اوقات خالص اسلامی مفاد کے لئے کفار سے تعاون کی ضرورت پیش آجاتی ہے، خود آنحضرت صلعم نے نہ صرف دنیاوی امور بلکہ اسلامی مصالح و مفاد کے لئے یہود و نصاریٰ سے تعاون فرمایا ہے، آپ نے اور یہود مدینہ سے جو معاہدہ ہوا تھا، اسکی دفعات یہ بھی تھین، کہ یہود اور مسلمان دوستانہ تعلقات رکھین گے، ان دونون کے ساتھ جب کسی تیسرے فریق کی جنگ پیش آئے گی، تو ایک دوسرے کی مدد کرے گا، کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی اس مین شریک ہوگا، البتہ مذہبی لڑائیان اس سے مستثنیٰ رہین گی، (تفصیل کے لئے دیکھئے سیرت ابن ہشام)

اسی طریقہ سے بنی ضمرہ سے بھی اسی قسم کا معاہدہ ہوا تھا، کہ مذہبی جنگ کے علاوہ فریقین ایک دوسرے کی مدد کرین گے، (روض الانف و زرقانی) ان کے علاوہ اور بھی مثالین ہین، غزوہ حنین مین آپ نے ایک مشرک صفوان بن امیہ سے بہت سی زرہین مستعار لی تھین، (ابوداؤد باب تضمین العاریۃ)

درحقیقت ایک ساتھ رہنے والون مین ایک دوسرے سے استعانت تو تمدنی زندگی کی ناگزیر ضروریات مین سے ہے، البتہ غیر قوم کو اپنی قوت کا مدار نہ بنانا چاہئے کہ بغیر ان کے سہارے کے زندگی بسر نہ ہوسکے، اور اس داد و ستد اور کاروباری تعلقات کا اثر موالات فی القلب تک متعدی ہو۔

اطاعت تعاون سے الگ چیز ہے، اس مین بھی غیر اسلامی احکام کی اطاعت معصیت ہے، اور انکا

بدلنا ہر مسلمان کا فرض ہے، لیکن ایسے مشترکہ قوانین کی اطاعت جن کا تعلق مذہب سے نہین یا جو دونون کے لئے مفید ہین، معصیت نہین ہے، مثلاً آج کل کے حفظان صحت، صفائی، امن و امان اور پبلک کے مفاد کے دوسرے قوانین کی پابندی جو ہمارے مذہبی احکام کے خلاف نہین، اور جو ہر شخص کیلئے یکسان مفید ہین معصیت نہین، البتہ جو دنیاوی قانون اسلامی قوانین سے مزاحم ہو اس کا توڑنا امکان بھر مسلمانون کا فرض ہے،

اس کے بعد مصنف نے حکومت الٰہیہ کے قیام کے بارہ مین گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور ان کے واقعات زندگی سے استدلال کیا ہے، ان کے نزدیک تمام انبیاء علیہم السلام دنیا مین صرف حکومت الٰہیہ کے قیام کے لئے تشریف لائے، چنانچہ لکھتے ہین:

اگر ان شیطانی حکومتون اور طاغوتی قوتون کو مٹا کر حکومت الٰہیہ کا قیام ان کا (انبیاء علیہم السلام) کا نصب العین نہ تھا، تو فرعون، نمرود اور شداد کا انبیاء علیہم السلام سے الجھنے کا کیا مقصد تھا، حضرت موسیٰؑ کو ابتلا، و آزمایش مین ڈالنے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں گرانے، حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر لٹکانے کی کیون ضرورت پیش آئی، پھر یہ قرآن کریم کی آیات بینات سے بالکل ظاہر کہ یہ کفار و مشرکین فاطر السموٰت والارض کی حیثیت سے خدا کے وجود کے قائل تھے۔"

فاضل مصنف کی یہ تحریر نہایت مغالطہ آمیز ہے، اگر حکومت الٰہیہ سے اس کی مراد بت پرستی کی مخالفت، خدائے واحد کی توحید اور اس کے احکام کی اطاعت کی دعوت ہے، تو نہ صرف یہ تینون، بلکہ دنیا کے تمام پیغمبرون کی بعثت کا مقصد حکومت الٰہیہ کا قیام تھا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ حکومت سے مصنف کا مقصد دینی سیاسی حکومت ہے، اس اعتبار سے حضرت ابراہیمؑ اور نمرود اور حضرت عیسیٰؑ اور یہودیون کے اختلاف کو تو قطعاً اس زمرہ مین شامل نہین کیا جاسکتا، البتہ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی مخالفت کو ایک حد تک اس حکومت الٰہیہ کے قیام پر محمول کیا جاسکتا ہے،

خدا کی توحید اور اس کے احکام کی اطاعت اور غیر اللہ سے علٰحدگی تو دنیا کے تمام پیغمبرون کا مشترکہ

اور سب سے اہم مقصد رہا ہے، لیکن ان کی قوم کی حالت کے اعتبار سے ان مشترکہ مقاصد کے علاوہ ہر ایک کے بعض انفرادی مقاصد بھی تھے، اس اعتبار سے ان تینوں پیغمبروں کے مشترکہ بنیادی مقاصد کے علاوہ انفرادی مقاصد جدا جدا تھے، حضرت ابراہیمؑ کی قوم بت پرست تھی، اس لئے آپکی بعثت کا مقصد وحید بت پرستی کی مخالفت اور توحید کی دعوت تھا، چنانچہ آپنے اپنی قوم کو جس میں نمرود بھی تھا، توحید کی دعوت دی، اور بت پرستی کی مخالفت کی، اور بتوں کی بے بسی دکھانے کے لئے ان کو توڑ ڈالا، اس پر ان کی قوم برہم ہو گئی، اور نمرود نے آپ کو آگ میں ڈلوا دیا، جس سے خدا نے آپ کو محفوظ رکھا، اس کے بعد آپ اپنی گمراہ قوم کو چھوڑ کر مصر چلے گئے، پھر وہاں سے شام آکر سکونت اختیار کر لی اور خدائے واحد کی پرستش کے لئے مکہ میں خانۂ خدا تعمیر کیا، آپ نے نمرود کی کوئی سیاسی مخالفت نہیں کی، اور نہ اس کی حکومت کے مقابلہ میں کوئی دینی نظام پیش کیا، جس کے بغیر حکومتِ الٰہیہ کا قیام ناممکن ہے،

اسی طریقہ سے حضرت موسیٰؑ مذکورۂ بالا بنیادی مقاصد کے علاوہ بنی اسرائیل کو وہ دین و قانون الٰہی سکھانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، جس کو وہ بھلا چکے تھے، بنی اسرائیل صاحبِ مذہب تھے، لیکن بڑے سرکش اور زود فراموش تھے، اپنے پیغمبر کے بعد بہت جلد انکی تعلیم کو بھول جاتے تھے، اس لئے حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ان کی مذہبی اخلاقی اور سیاسی حالت نہایت ابتر ہو رہی تھی، حضرت موسیٰؑ اسی ابتری کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے، بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے مصر میں آباد تھی، یہاں کا بادشاہ فرعون بڑا ظالم سرکش اور خدائی کا مدعی تھا، اس کے ہاتھوں مصر کے بنی اسرائیل کی حالت غلاموں سے بدتر ہو رہی تھی، اس لئے ان کو اس کے پنجہ سے آزاد کرانے کی خدمت بھی حضرت موسیٰ اور ان کے شریک کار حضرت ہارونؑ کے سپرد ہوئی، چنانچہ کلام مجید میں ہے،

ثم بعثنا من بعدھم موسیٰ بآیٰتنا الیٰ
فرعون وملائہٖ فظلموا بھا فانظر

پھر اس کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل
دیکر فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس بھیجا پس ان

کیف کان عاقبۃ المفسدین وقال موسیٰ
یٰفرعون انی رسول من رب العالمین
حقیق علیٰ ان لا اقول الا الحق قد جئتکم ببینۃ
من ربکم فارسل معی بنی اسرائیل
(آل عمران)

لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا، پس دیکھو
ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا، اور موسیٰ
نے کہا میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہون،
میرے لئے یہی شایان شان ہے، کہ بجز سچ کے
خدا کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں، میں
تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے
ایک بڑی دلیل بھی لایا ہون، پس بنی اسرائیل کو

ایک دوسرے مقام پر ہے،

اذھبا الیٰ فرعون انہ طغیٰ فقولا
لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشیٰ قالا
ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان
یطغیٰ قال لا تخافا اننی معکما اسمع
واریٰ فاتیاہ فقولا انا رسولا ربک
فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم
قد جئنٰک بآیۃ من ربک والسلام
علیٰ من اتبع الھدیٰ،
(طٰہٰ)

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، وہ بہت نکل
چلا ہے، پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا،
شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈرے، دونوں
نے عرض کیا، اے ہمارے پروردگار ہم کو
یہ اندیشہ ہے، کہ وہ ہم پر زیادتی نہ کرے
یا زیادہ شرارت کرنے لگے، ارشاد ہوا تم
اندیشہ مت کرو میں تم دونوں کے ساتھ ہون
اور سب سنتا اور دیکھتا ہون، تم دونوں
اس کے پاس جاؤ، اور اس سے کہو کہ ہم
دونوں تیرے پروردگار کے فرستادہ ہیں بنی
اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیجدے، اور ان کو

تکلیفیں مت پہنچا، ہم تیرے پاس تیرے رب
کی طرف سے نشان لے کر آئے ہیں، اور ایسے
شخص پر سلامتی ہے جو سیدھی راہ پر چلے،

ایک اور مقام پر ہے:

ولقد فتنا قبلھم قوم فرعون وجاءھم رسول کریم ان ادوا الی عباد اللہ انی لکم رسول امین (دخان)	اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا تھا، اور ان کے پاس ایک معزز پیغمبر آئے تھے، کہ ان اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالہ کرو، میں تمہاری طرف فرستادہ اور دیانت دار ہوں،

کلام مجید میں جن جن مقاموں پر حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا واقعہ مذکور ہے، ان میں فرعون کی سرکشی، اس کی زیادتیوں، حضرت موسیٰؑ کی نمایش و تخویف، دعوت حق اور بنی اسرائیل کے مطالبۂ آزادی اور اس سلسلہ میں جو واقعات پیش آئے، ان کے علاوہ سیاسی حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی کسی کوشش کا کوئی اشارہ تک نہیں ہے، حالانکہ حضرت موسیٰؑ صاحب شریعت تھے، اور آپ کو خدا کی جانب سے دین و دنیا کا قانون (توراۃ) بھی عطا ہوا تھا، لیکن وہ بنی اسرائیل کے لئے تھا،

وآتینا موسی الکتاب وجعلناہ ھدی لبنی اسرائیل (بنی اسرائیل)	اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توراۃ) دی اور اسکو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا،
ولقد آتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ وجعلناہ ھدی لبنی اسرائیل (سجدہ)	اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پس اس کے ملنے سے شک میں نہ ہو، اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا،

یہ بھی واضح رہے کہ بنی اسرائیل میں سیاسی حکومت کی بنیاد حضرت موسیٰؑ کے صدیوں کے بعد حضرت شمویل علیہ السلام کے زمانہ میں پڑی،

اسی طریقہ سے حضرت عیسیٰؑ نے بھی کسی حکومت کی کوئی مخالفت نہیں کی، بلکہ آپ کوئی نئی شریعت بھی نہیں لائے، صرف بنی اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں کو اکٹھا کرنے یعنی بنی اسرائیل کی ہدایت اور ان کی اصلاح کے لئے تشریف لائے تھے، جو حضرت موسیٰؑ کے بعد بھٹک گئے تھے، انکی تعلیم میں تو حکومت کا کوئی قانون ہی نہیں ہے، اور انھوں نے تو انجیل کی موجودہ روایت کے مطابق صرف آسمانی بادشاہت کی بشارت دی ہے، انجیل کی شہادت اور عیسائیوں کے عقیدہ میں رومی حاکم نے ان کو پھانسی کی سزا ضرور دی، اور وہ سولی پر لٹکائے گئے، لیکن اس کا سبب حکومت کی مخالفت نہ تھا، بلکہ خود آپ کی قوم یہود نے آپ پر جھوٹے الزام رکھکر اور رومی حاکم کو مجبور کرکے آپ کو پھانسی کی سزا دلوائی، اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کی بعثت سے پہلے یہودی پیشوا مذہب کے پردہ میں اپنی قوم پر ایک طرح کی خدائی کرتے تھے، اور جس راستہ پر چاہتے تھے، لیجاتے تھے، حضرت عیسیٰؑ نے جب دین موسوی کی اصلی روح کو زندہ کرنے کی کوشش کی تو اس سے ایک طرف یہودی کاہنوں کے خود ساختہ مذہب کی مخالفت ہوئی، دوسری طرف ان کا اقتدار خطرہ میں پڑ گیا، اس لئے وہ آپ کے خلاف ہوگئے، اور آپ کے اوپر مختلف قسم کے سیاسی اور مذہبی جھوٹے الزام رکھ کر کہ آپ مذہب میں رخنہ اندازی کرتے ہیں، بادشاہت کے مدعی ہیں، لوگوں کو بھڑکاتے ہیں، آپکو رومی حاکم پلاطس کے سامنے پیش کیا، اس نے آپ سے سوالات کئے، آپ کے جوابات سے کوئی الزام ثابت نہ ہو سکا، پلاطس نے آپ کو بے قصور پاکر رہا کر دینا چاہا، لیکن بڑے بڑے کاہنوں اور ممتاز یہودیوں نے اسکو سولی کی سزا دینے پر مجبور کیا، اور اتنے مصر ہوئے کہ پلاطس کو حضرت عیسیٰؑ کی بے گناہی کے اعتراف کے باوجود آپ کے لئے سولی کی سزا تجویز کرنی پڑی، ان واقعات کی تفصیل چاروں انجیلوں میں موجود ہے، اس لئے آپکی سولی کی سزا حکومت کی مخالفت کا نتیجہ نہیں، بلکہ خود آپ کی قوم کی مخالفت کا نتیجہ ہے،

فاضل مؤلف کا یہ دعوی بھی غلط ہے کہ نمرود اور فرعون فاطر السموات والارض کی حیثیت سے خدا کی

وجود کے معترف تھے ایک طرف تو وہ بت پرست تھے، دوسری طرف خدا کے بھی منکر تھے، حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کے درمیان خدا کے وجود پر جو مناظرہ ہوا تھا، اس مین حضرت ابراہیمؑ نے خدا کے وجود پر جب یہ دلیل دی،

الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ ان آتیہ اللہ الملک اذ قال ابراھیم ربی الذی یحیی ویمیت، (بقرہ ۲)	کیا تم کو اس شخص کا قصہ نہین معلوم جس نے ابراہیم سے اپنے پروردگار کے وجود کے بارہ مین اس وجہ سے کہ خدا نے اوس کو سلطنت دی تھی، حجت کی، جب ابراہیم نے کہا کہ میرا پروردگار ایسا ہی جو جلاتا اور مارتا ہے،

تو نمرود نے یہ برابر کا جواب دیا، کہ "انا احیی وامیت" یعنی مین بھی جلاتا اور مارتا ہون، اور فرعون تو علانیہ انا ربکم الاعلیٰ کا دعویدار تھا،

ھل اتاک حدیث موسیٰ اذ ناداہ ربہ بالواد المقدس طوی اذھب الی فرعون انہ طغی فقل ھل لک الی ان تزکی واھدیک الی ربک فتخشی فاراہ الآیۃ الکبری فکذب وعصی ثم ادبر یسعی فحشر فنادی فقال انا ربکم الاعلیٰ، (نازعات)	کیا تم کو موسیٰ کا قصہ پہنچا ہی جب کہ ان کو ان کے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طویٰ مین پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ، اُس نے بڑی شرارت اختیار کی ہی، اور اس سے کہو کہ کیا تجھکو اس بات کی خواہش ہی کہ تو درست ہو جائے، اور مین تجھکو تیرے رب کی طرف رہنمائی کردون تو تو ڈرنے لگے پھر اس کو بڑی نشانی دکھلائی، تو اوس نے جھٹلایا اور کہنا نہ مانا، پھر جدا ہو کر کوشش کرنے لگا اور جمع کیا، پھر بلند آواز سے تقریر کی، اور کہا مین تمہارا رب اعلیٰ ہون،

حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ نے جب فرعون کے پاس جا کر اس سے کہا کہ ہم پیغمبر ہین، ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجدے، تو اس نے پوچھا،

قال فرعون وما رب العالمین قال رب السموات والارض وما بینھما ان کنتم موقنین قال لمن حولہ الا تستمعون قال ربکم ورب آبائکم الاولین قال ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون قال رب المشرق والمغرب وما بینھما ان کنتم تعقلون قال لئن اتخذت الھا غیری لاجعلنک من المسجونین (شعراء ۲-۱)	فرعون نے کہا رب العالمین کیا ہے، موسیٰ نے جواب دیا وہ پروردگار ہے آسمانون کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان مین ہو اس کا اگر تم کو یقین کرنا ہے، فرعون نے اپنے گرد وپیش کے لوگون سے کہا تم لوگ سنتے ہو، موسیٰ نے کہا وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بزرگون کا فرعون نے کہا کہ یہ تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، مجنون ہے موسیٰ نے کہا وہ پروردگار ہے مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے درمیان مین ہے اس کا بھی اگر تم عقل رکھتے ہو، فرعون نے کہا اگر تم میرے سوا کسی اور کو معبود بناؤ گے تو تم کو جیل خانہ بھیجدونگا،

یہ تھا دعویٰ فرعون کا، وہ فاطر السموات والارض کی ہستی کا معترف نہ تھا،

مصنف کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ پیغمبر دو قسم کے تھے، ایک وہ جن کی حیثیت صرف بشیر ونذیر کی تھی، یعنی انھون نے صرف خدا کی توحید، اسکی عبادت واطاعت کی تعلیم دی، اس کے ماننے والون کو بشارت دی، اور نافرمانون کو ڈرایا، وہ کوئی نئی شریعت اور نئی کتاب لے کر نہین آئے، دوسرے تبلیغ کے منصب کے ساتھ صاحب شریعت بھی تھے، جنھون نے اس کے مطابق یا خود حکومت الٰہیہ قائم کی یا اون کے جانشینون نے کی، اس لئے تمام پیغمبرون کو حکومت الٰہیہ کا موسس کہنا صحیح نہ ہوگا، پیغمبرون کا اصل مقصود خدا کے احکام کی تبلیغ تھا، قیام حکومت نہین، قیام حکومت کی ضرورت اسی وقت پیش آئی، جب معاندین نے اس کی راہ مین رکاوٹ پیدا کی، یعنی حکومت وسلطنت احکام الٰہی کی تعمیل کا ذریعہ تھی، اصل مقصد نہین،

(باقی)

کتاب اسلامی معاشیات کا ایک باب

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

(۵)

معاشی مسائل کی اہمیت حدیثوں میں

اور یہ تو معاشی مسائل کے ساتھ قرآن کے تعلق کا حال ہے، داعی قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات اور اس باب میں آپ کے جس طرز عمل کی تفصیل حدیث کی کتابوں میں ملتی ہے، اس کا ذخیرہ تو اتنا زیادہ ہے کہ سب کا ذکر اگر کیا جائے، تو وہی ایک مستقل کتاب بن جائے گی،

اسباب خواہ کچھ ہی ہوں، لیکن اب یہ واقعہ ہے، کہ مذہب کے غلط نمایندوں نے مذہب کے متعلق یہ عام کیفیت پیدا کر دی ہے، کہ ادھر مذہب کا نام آیا، اور دنیا کی نفرت، دنیاوی چیزوں کی عداوت میں ہیجان پیدا ہونا شروع ہوا، خیال یہی پھیلایا ہوا ہے، کہ دنیا اور دنیاوی امور سے اپنے ماننے والوں کو جو مذہب جس حد تک علحدہ رکھنے میں کامیاب ہو، یہی مذہب کا کمال ہے، لیکن آج یہ کون باور کرنے کے لئے تیار ہوگا، کہ کوئی سیاسی لیڈر یا معاشی ریفارمر نہیں، بلکہ جو اپنے آپ کو انسانی تاریخ کے تمام مذہبی داعیوں اور رسولوں کا خاتم اور اپنی تعلیم کو سارے جہان کے مذہبی ذخیروں کے صحیح عناصر کا خلاصہ اور سب کی تکمیل کرنے والا قرار دیتا تھا، دنیا کی وہی سب سے بڑی مذہبی اور دینی ہستی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے، اور پرنم آنکھوں کے ساتھ اپنے خدا کے سامنے اپنی امت کو پیش کرتے ہوئے التجا کرتا ہے،

اللھم انھم حفاۃ فاحملھم اللھم — پروردگار یہ لوگ پیادہ ہیں، (یعنی سواری

انھم عراۃ فاکسھم اللھم انھم جیاع — نہیں رکھتے) تو انھیں سوار کیجئے، پروردگار یہ لوگ

فاشبعھم، — ننگے ہیں، انھیں پہنائیے، پروردگار یہ لوگ

(ابوداؤد فی سننہ) — بھوکے ہیں انھیں سیر کیجئے،

اس کے سامنے کچھ لوگ اسی لباس میں جس میں بعض مذاہب کے ماننے والوں کا رہنا مذہبی برتری کی دلیل ہے یعنی کمبل بدن پر ڈالے ننگے پاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی سے مروی ہے، کہ ان کمبل پوشوں پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک کا پڑنا تھا کہ

فتمعر وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، (مسلم) — اداس پڑ گیا چہرۂ اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ان لوگوں کے اس حال کو دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر زنانہ میں تشریف لے گئے، (غالباً کوئی چیز نہ ملی) پھر باہر تشریف لائے، اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوا کر ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کو جمع کرو، لوگ جمع ہوئے، ان غریبوں کی امداد پر لوگوں کو آمادہ فرمایا گیا، اور کافی امدادی سرمایہ جمع ہو گیا، جو ان کے حوالہ کر دیا گیا، حضرت جابر ہی راوی ہیں، کہ وہی چہرۂ مبارک جو اب تک ان غریبوں کے دیکھنے کے بعد اداس پڑ گیا تھا،

فرائیت وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتھلل کانہ مذھبۃ، — پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کو دیکھا کہ سونے کی طرح دمک رہا ہے،

چہرۂ مبارک سونے کی طرح دمکنے لگا، کس وجہ سے دمکنے لگا؟ محض اس لئے کہ کچھ لوگ معاشی پریشانیوں میں مبتلا تھے، ان کی یہ پریشانیاں اس تدبیر سے دور ہو گئیں، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ انسانی زندگی کا یہ پہلو جس کے متعلق سمجھا جاتا ہے، کہ مذہب میں اسکی کوئی اہمیت نہیں ہے، نبی الانبیا خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم

کے احساسات عالیہ اسی پہلو کے متعلق کتنے عمیق اور گہرے تھے،

اور یہ طریقہ کہ اس قسم کے لوگون کی امداد دوسرون سے کرائی جائے واقعہ یہ ہو کہ بعض خاص فوری ضرورتون کے موقعون پر کبھی کبھی یہ تدبیر بھی اختیار کیجاتی تھی، ورنہ اس احساس کے ساتھ ساتھ جس کا تذکرہ مذکورۂ واقعہ مین ملتاہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری خصوصیت عموماً یہ تھی، کہ بجائے دوسرون کے خود صاحبِ ضرورت کو آپ آمادہ فرماتے، کہ اپنی دشواریون کو وہ اپنی انہی توانائیون کے ذریعہ سے حل کرے، جو قدرت نے آدمی مین اسی لئے پیدا فرمائی ہین، حدیثون مین اس مشہور واقعہ کا ذکر آتا ہو کہ ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور جو کچھ امداد کے طالب ہوئے، وہی جو ابھی ایک جماعت کو کافی امداد دوسرون سے دلاچکا تھا، ایک شخصی ضرورت کے متعلق جو طرز عمل اختیار فرمایا جاتا ہے وہ سننے کے قابل ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہ خود اپنے پاس سے کچھ دینے کی کوشش کی، اور نہ دوسرون سے دلوایا، بلکہ ضرورت مند صاحب کو فرماتے ہین، تو یہ فرماتے ہین، کہ آخر تمھارے پاس آخر کوئی چیز بھی ہے ؟ وہ بیچارے اتنے غریب اور نادار تھے، کہ جواب مین انھون نے عرض کیا میرے پاس صرف ایک ٹاٹ ہو جس کے ایک حصہ کو اوڑھتا ہون، اور دوسرے حصہ کو بچھاتا ہون، اور اس کے سوا ایک پیالہ بھی ہے جس سے مین پانی پیتا ہون، ظاہر ہے کہ افلاس اور ناداری کی یہ انتہا ہو، لیکن جو معاشی قوتون کو ابھارنے اور ان کی قیمت پیدا کرنے کے لئے بھی مبعوث ہوا تھا، (اللہ کے وہی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس جواب پر حکم دیتے ہین، کہ جاؤ! اس پیالہ اور ٹاٹ کو لے آؤ، جو دنیا کو اسکی آخری کتاب دینے آیا تھا، اگر ایک طرف اس کے ہاتھ مین وہی کتاب تھی، تو اُسی دست مبارک مین آنکھون نے دیکھا کہ غریب حاجت مند کا ٹاٹ اور پیالہ ہے، اور ٹھیک جیسے ہراج (نیلام) کرنے والے پکارتے ہین،

من یشتری ھٰذین

ان دونون کو کون مول لیتا ہے،

کی صدا کانون مین اسی دہن اطہر سے آرہی تھی، جو قیامت تک پیدا ہونے والی نسل آدم کو بانگ لھم الجنة

کی بشارت سنا رہا تھا، ایک صاحب نے کہا:-

انا آخذ ھما بدرھم — مین لیتا ہون ایک درم مین،

نیلام کرنے والے صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حاضرین کو مخاطب کرکے

من یزید علی درھم — ایک درہم پر اضافہ کون کرتا ہے،

کے فقرہ کے ساتھ قیمت کے اضافہ پر توجہ دلائی، بالآخر دو درہم پر بولی ختم ہوگئی، خریدار کو ٹاٹ اور پیالہ دے دیا گیا، اور دو درہم جو قیمت مین وصول ہوئے تھے، دونون کو حاجت مند انصاری کے حوالہ کرکے ارشاد ہوا:

اشتر باحدھما طعاما فانبذہ الی اھلک — مول لینا اس سے تو اناج، پھر اسے تو اپنے

واشتر بالآخر قدوما فاتنی بہ، — گھر والون کے پاس ڈال دیجیو، اور اس درہم سے ایک کلھاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ،

حضرت انسؓ جو روایت کے راوی ہین، ان کا بیان ہے، کہ حاجت مند انصاری نے یہی کیا، اور کلھاڑی خرید کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین پیش کی، سب دیکھ رہے تھے کہ جو کھری ہوئی انسانیت کو خدا سے ملانے آیا تھا وہی (صلی اللہ علیہ وسلم)

شد عودا بیدہ — ٹھونکی ایک لکڑی اپنے دست مبارک سے

لکڑی ٹھونک کر کلھاڑی انصاری کے حوالہ کی گئی، اور اس کے بعد تاکیداً حکم دیا گیا،

اذھب فاحتطب وبع ولا ارینک — جاؤ اور لکڑیان کاٹ کاٹکر لاؤ، اور بیچو میں اور نہ

خمسة عشر یوماً، — دیکھون گا مین ہرگز تمھین پندرہ دن تک (یعنی پندرہ دن تک ملاقات نہ کرنا)

وہ چلے گئے پندرہ دن بعد جب خدمت مبارک مین حاضر ہوتے ہین، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہے ہین کہ حضور ان پندرہ دنون مین دس درہم آمدنی ہوئی، جس مین سے چند درہم کے تو کپڑے خریدے گئے،

اور چند درہم کا طعام (غلہ) مول لیا گیا، مفلس کے افلاس کا ازالہ جس کے مبارک چہرہ کو کندن کی طرح چمکا دیتا تھا، انصاری کی یہ رپورٹ سُن کر انہی کو مخاطب کرکے فرمانے لگے،

ھٰذا خیر لك من ان تجیٔ والمسئلة — یہ بھلا ہے تمھارے لئے اس بات سے کہ تم آؤ

نکتة فی وجھك یوم القیامة، — اس حال مین قیامت کے دن کہ بھیک (سوال)

(مجمع الفوائد بحوالہ ابوداؤد و ترمذی) — داغ بنا ہوا ہو تمھارے چہرہ مین،

جن ذاتی دلچسپیون کے ساتھ حصول معاش کی سوئی ہوئی قوتون کو بیدار کرنے کا نمونہ اس اسوۂ حسنہ نبویہ مین مل رہا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مین اس کی کتنی اہمیت تھی انصاری سے جو آخری فقرہ فرمایا گیا، ہے اس مین کلی طور پر آپ نے گداگری کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، اسلام کا ایک مستقل قانونی باب ہے، جس کی پوری تفصیل آیندہ اوراق مین ملے گی،

حاصل سکا یہی کہ حتی الوسع اسلام نہین چاہتا ہے کہ جماعت کا کوئی فرد اپنی توانائیون کو بےکار ضائع کرکے دوسرون کی اکتسابی قوتون سے ناجائز نفع اٹھائے،

لوگ غور نہین کرتے، ورنہ سچ یہ ہے کہ سورۂ مزمل مین تہجد کی نماز کی فرضیت کا قانون جب عام مسلمانون سے اٹھایا گیا، تو اسکی وجہ بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا،

علم ان سیکون منکم مرضیٰ وآخرون — جان چکا ہے اللہ کہ تم مین کچھ لوگ بیمار پڑ جائینگے،

یضربون فی الارض یبتغون من — اور دوسرے (مسلمان) زمین پر چلتے پھرتے

فضل اللہ، (المزمل ۲۰/۴) — رہین گے، اللہ کے فضل کو ڈھونڈھتے ہوئے،

جس کا یہی مطلب ہے، کہ اگر شب بیداری سب پر فرض کر دیجائے گی، تو فضل اللہ کے ابتغا، یعنی تلاش معاش کے فریضہ سے کچھ لوگ محروم ہو جاینگے، اسلام نے نماز کے فریضہ کا اٹھا لینا گوارا کیا، لیکن تلاش معاش کے فریضہ سے لوگون کو روکنا پسند نہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسلامی نقطۂ نظر کے سب سے

بڑے عملی شارح ہین، مختلف کتابون مین آپ کا یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے، کہ آپ مسجد مین تشریف لائے، دیکھا کہ مجمع کو مخاطب کرکے ایک شخص کہہ رہا ہے،

"جہاد کی تیاری مین میری کوئی مدد کر سکتا ہے"

کون نہین جانتا کہ جہاد کا شمار اسلامی شریعت کی ان ہی عبادتون مین ہے جو خدا کی طرف سے مسلمانون پر فرض کی گئی ہین، اسی اسلامی عبادت مین مشغول ہونے کے لئے سائل مسلمانون سے امداد طلب کر رہا تھا لیکن سنئے ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا کرتے ہین، راوی کا بیان ہے کہ آگے بڑھتے ہین اور صدا لگانے والے کا ہاتھ پکڑتے ہین، اور مجمع کو مخاطب کرکے صدا لگاتے ہین،

من یستاجرہ منی یعمل ارضه — کون نوکر رکھتا ہے، اس کو میری طرف سے اپنی زمین مین کام کرنے کے لئے،

ایک صاحب نے عرض کیا مجھے ضرورت ہے، فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ماہوار تنخواہ طے کرنے کے بعد جہادی امداد طلب کرنے والے کا ہاتھ اس کے ہاتھ مین دیدیتے ہین، وہ لیجاتے ہین، اور اپنے باغ اور کھیت کے کام مین لگا دیتے ہین، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دماغ سے اس کا خیال نہین نکلتا ہے، کچھ دن گذرنے کے بعد مسجد ہی مین دریافت فرماتے ہین، اس شخص کا کیا حال ہے جن صاحب نے نوکر رکھا تھا، انھون نے جواب دیا کہ حضور اب تو وہ بڑے مزے مین ہے، تنخواہ سے کافی سرمایہ اس نے جمع کر لیا ہے، ارشاد ہوا کہ اس سرمایہ کے ساتھ جو اس نے اس عرصہ مین کمایا ہے، میرے پاس ذرا اُسے بھیجدینا، ارشاد کی تعمیل کی گئی، گلے مین ایک بھاری سی تھیلی (دبیگ) لٹکائے دیکھا جاتا ہے، کہ مسجد کا وہی سائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آرہا ہے، جب وہ حضرت کے پاس آگیا، تو آپ نے اس کی بھری ہوئی بوجھل تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :-

خذ ھٰذہ فان شئت فالان اغزُ اوان — پکڑو اسکو، پھر اب جی چاہے تو جہاد کر دیا

شئت فاجلس (کنز العمال) جی چاہے، تو (گھر) بیٹھو !

معاشی کاروبار میں مشغولیت پر اسلام کا کتنا زور ہے وہ اسکی اہمیت پر کس حد تک اصرار کرنا چاہتا ہے، اس کا اندازہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس مشہور حدیث سے بھی ہوسکتا ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ روایت فرماتی ہیں،

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر
قامت الساعۃ وفی احدکم فسیلۃ	قیامت قائم ہوجائے، اور تم میں سے کسی
فان استطاع ان لا تقوم حتی یغرسھا	کے ہاتھ میں کوئی پودا ہو، اگر اس کے بس
فلیغرسھا،	میں ہو کہ کھڑا نہ ہو جب تک کہ اس کو بوے تو
(کنز العمال بحوالہ احمد)	چاہئے کہ اس پودے کو بودے،

اور سچ تو یہ ہے کہ جلیل القدر حنفی امام علامہ ابوبکر جصاص کا اگر یہ استدلال صحیح ہے، اور بظاہر اس کی صحت میں کوئی شبہ کرنے کی گنجائش نہیں یعنی قرآن پاک کی آیت جس میں انسانوں کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے:

انشاکم من الارض واستعمرکم	اٹھا کر کھڑا کیا تمہیں، زمین سے، اور آبادی
فیھا، (ھود ۵)	کرائی تم سے اس زمین میں،

جصاص رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت میں فرماتے ہیں:

وفیہ الدلالۃ علی وجوب العمارۃ للزراعۃ	یہ آیت بتاتی ہے، کہ زمین کا آباد کرنا، کھیتی
والغراس والابنیۃ، (ص ۱۶۵ ج ۳)	باغبانی اور تعمیر کے ذریعہ سے واجب ہے،

جس کا یہی مطلب ہے کہ زمین کی عمارت (آبادی) خواہ بشکل الزراعۃ (کھیتی ہو) یا بشکل الغراس (باغبانی) یا بصورت الابنیۃ (تعمیرات) قرآن کی آیت مذکورہ بالا کی بنیاد علامہ جصاص حنفی کے نزدیک جائز یا سنت ہی نہیں، واجب اور فرض ہے، اگر اس شغل کی حیثیت وہی ہے جو نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ کی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ

عربی زبان کے طرز خطاب سے جو واقف ہے، وہ اس استدلال میں کمزوری نکال سکتا ہے، خصوصاً جب ہم تک ایک دو نہیں، بلکہ تقریباً مشہور و مستفیض روایتوں کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں پہنچی ہیں جن میں آپ نے اس کاشتکاری اور باغبانی کو نہیں جس سے کاشت کرنے والے یا باغ لگانے والے کو نفع ہی پہونچے، بلکہ اس میں بھی جس سے وہ نفع گیر نہ ہوا ہو، اس کے متعلق بھی مختلف پیرایوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اخروی ثواب کی بشارت سناتے ہوئے فرماتے ہیں،

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما من	فرمایا رسول اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہے
مسلم یزرع زرعا او یغرس غرسا	کوئی ایسا مسلمان جس نے کھیتی کی ہو یا درخت
فیاکل منہ طیر او انسان او بھیمۃ	لگایا ہو، پھر اس (کھیتی یا درخت سے)
الا کانت لہ صدقۃ،	پرندہ کھائے یا آدمی یا جانور مگر یہ کہ ہوگا وہ
(رواہ البخاری فی صحیحہ)	اس کی طرف سے صدقہ،

وجہ ظاہر ہے کہ اس کھیت یا باغ سے لگانے والوں کو اگر نفع نہ پہنچا، تو کیا ہوا، اس نے تو اپنا فرض ادا کیا، اور جس نے خدا کے عائد کئے ہوئے فرض کو ادا کیا، ثواب کا مستحق وہ نہ ہوگا، تو اور کون ہوگا، ماسوا اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر بھی اشارہ فرمایا کہ کاشتکار اور باغبان نے خدا کی دی ہوئی قوتوں سے کام لے کر اس چیز کو جو معدوم تھی، وجود کے لباس میں جلوہ گر ہونے کا موقع دیا، اس سے اگر فرد کو نفع اٹھانے کا موقع نہ ملا، تو جماعت کی خدمت کا فرض تو وہ بجالایا، اور جماعت ہی نہیں، خدا کی دوسری زندہ مخلوق مثلاً پرند یا بہیمہ (چوپایے) اگر اس سے مستفید ہوئے، تو قصداً نہ سہی ضمناً اپنے وجود اور اپنی توانائیوں کو اس نے مفید ثابت کیا، اور اسلام یہی چاہتا ہے کہ خدا کی عطا کی ہوئی قوتوں کو بے کار ضائع ہونے سے بچایا جائے،

مذہب اور دین کے متعلق آج جو غلط خیالات پھیلے ہوئے ہیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے کون یقین

کر سکتا ہو کہ اسلام بھی باوجودیکہ ایک دین اور مذہب ہے، لیکن جن مشاغل اور پیشون کو عام طور پر دنیاوی مشغلون
مین شمار کیا جاتا ہے، اسلام نے اُن سب پر اُخروی اجر و ثواب کو مرتب کر کے ان کو وہی مقام عطا کر دیا ہے جو
عام دینی فرائض و عبادات کا سمجھا جاتا ہے، کہان یہ نقطۂ نظر کہ جو جس حد تک دنیوی کاروبار سے الگ ہو کر
زندگی بسر کرے گا، اسی حد تک خدا کے حضور مین بلندی حاصل کریگا، اور کہان یہ عقیدہ کہ دنیا کے مشغلون
مین انہماک اور ان کے ساتھ اشتغال ہی کو خدا کی خوشنودی اور نزدیکی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، مذہب کے ان غیر فطری
غلط رجحانات کے استیصال مین اسلام نے کیا کام کیا ہے، ضرورت ہے کہ اس پر کوئی مستقل کتاب لکھی جائے،
جیسا کہ ضرورت کا اقتضاء تھا، اسلام مین بھی احبار و علماء (مذہب کے قانونی اور تشریعی پہلوؤن کے خدام) اور
رہبان (صوفیہ) یعنی مذہب کی حقیقی روح اور واقعی مقصد کے محافظون کا گروہ ضرور پیدا ہوا، اور جب تک
اسلام ہے انشاء اللہ تعالیٰ یہ دونون طبقے باقی رہین گے، اور ان کو باقی رکھنا چاہئے، لیکن نہ جاننے والے خواہ
کچھ ہی کہین، یا غلط مثالون کو دیکھ کر ان طبقات کے صحیح نمایندون کے متعلق غلط خیالات کیون نہ قائم کرتے
جائین لیکن جاننے والے جانتے ہین، کہ احبار و رہبان کے وہی افراد جو دوسرے ادیان و مذاہب مین
اکل بالباطل پر گذارہ کرتے تھے، بحمد اللہ اسلامی اکابر و اسلاف کا دامن اس الزام سے پاک ہے، علماء کے
طرز عمل کی طرف تو مین نے پہلے بھی کچھ اشارہ کیا ہے، لیکن اکل بالباطل یا مفت خوری مین سب سے زیادہ بدنام
طبقہ صوفیہ کا ہے، جو نہ پڑھتے ہین، اور نہ پڑھنا چاہتے ہین، با این ہمہ جہل و ناواقفیت ہر قسم کے فیصلون پر جری
ہین، ان کو مین کیسے سناؤن کہ تمھارے غلط طعنون سے جو گروہ آتنا مجروح و زخمی ہے، اسی طبقہ کا کوئی
معمولی آدمی نہین، بلکہ اساطین صوفیہ مین جس کا شمار ہے، میری مراد مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ ابو المکارم[۱]

---

[۱] تاریخون مین لکھا ہو کہ مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر کا طائف مین وہط نامی جو تاکستان تھا، کان
علی الف الف (الف) خشبة الارتسامات المطان صفحہ ۱۱۵ شکیب ارسلان یعنی دس لاکھ ڈنڈے
تھے جن پر انگور کی بیلین چڑھی ہوئی تھین، امیر شکیب ہی نے نقل کیا ہے، کہ جب طرابلس فتح ہوا، اور جبل اخضر پر حضرت

علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ سے ہے جو تصوف و حقائق کے ایک خاص مکتب خیال کے پیشوا ہین، مولانا جامی نے اپنی
کتاب نفحات الانس مین ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے، مین نہین جانتا کہ کسی خاص ماہر معاشیات کی کتاب مین
بھی اس قسم کا معاشی نظریہ مل سکتا ہے، مین بجنسہ فارسی الفاظ کے ساتھ ان کی اصل عبارت نقل کرتا ہون،

حضرت سمنانی فرماتے ہین :-

حق تعالیٰ این زمین و مزارع را بحکمت آفرید	حق تعالیٰ نے زمین اور کھیتون کو حکمت سے
و می خواہد کہ معمور باشد و فائدہ بخلق رسد،	پیدا فرمایا ہے، اور خدا چاہتا ہے کہ یہ (زمین
و اگر خلق بدانند کہ از عمارت دنیا کہ برائے	اور کھیت) آباد رہین، اور ان سے مخلوق کو نفع
فائدہ و دخل کنند، نہ بوجہ اسراف، چہ ثواب	پہنچے، اگر خلق اللہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ دنیا
ست، ہرگز ترک عمارت نکنند،	کی آبادکاری جس سے فائدہ اور آمدنی مقصود
	ہے یعنی فضول خرچی کے طور پر یہ آبادی نہ ہو جیسے
	لوگ فخراً مکان پر مکان بنائے چلے جاتے ہین
	جس مین نہ رہتے ہین، اور نہ دوسرون کو رہنے
	دیتے ہین) بہرحال نفع اور آمدنی کے لئے آبادکاری
	کے کام مین کتنا ثواب ہے اگر لوگون کو اس کا صحیح

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۲) عمرو بن العاص کی نظر پڑی تو فرمایا، لولا الوالی بالحجاز ما اخترت علی هذا الارض یعنی
وہط مین باغبانی کا انتظام کر چکا ہون، ورنہ طرابلس کے جہاد مین جب جبل اخضر پر پہنچے، تو اس کی سرسبزی دیکھ کر
سمجھ مین آیا، کہ واقعی اس طائف کی سرسبزی اس کے مقابلہ مین کچھ نہ تھی، بہرحال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقطۂ نظر
کا اس سے پتہ چلتا ہے، آج طرابلس کے ریگستانون کا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن جبل اخضر کا کون ذکر کرتا ہے، یورپ کا
یہ بھی ایک دجل ہے ۱۲

واگر بدانند کہ از ترک عمارت و گذاشتن
زمین را معطل چہ گناہ حاصل می شود ہرگز
نگذارند کہ اسباب او خراب شود،

اسی طرح اگر لوگ یہ جانتے کہ آباد کاری کے
کام کے چھوڑنے اور زمین کو بے کار پڑے رہنے
دینے مین کتنا گناہ ہے، تو ہرگز وہ یہ نہ کرتے
کہ آبادی کے جو اسباب ہین، ان کو برباد ہونے
کے لئے چھوڑ دین، (مثلاً تالابون اور کنوؤن
کی خبر نہ لینا، نہرون کی مٹی صاف نہ کرانا،
وغیرہ وغیرہ، اسباب آبادی جن کی بربادی
کی طرف عوام کو توجہ نہین ہوتی)

آگے تمثیل سے اس اسلامی نظریہ کی تشریح بایں الفاظ فرماتے ہین :-

ہر کس کہ زمینے دارد کہ ہر سال ازان زمین
ہزار من غلہ حاصل می تواند کرد، اگر بہ تقصیر
واہمال نہ صد من حاصل کند وسبب آن
صد من از حلق خلق دور افتد بقدر آن ازوے
بازخواست خواہند کرد،
(نفحات الانس جامی ص ۵۰۰ مطبوعہ کلکتہ)

جو کوئی زمین کا کوئی ایسا قطعہ رکھتا ہے، کہ
اس سے ہزار من غلہ سالانہ حاصل ہو سکتا ہو
اگر اس کی کوتاہی اور کاہلی وسستی سے (بجائے
ہزار من کے) نو سو من غلہ اس زمین سے حاصل
ہوا، اور اس کی وجہ سے سو من غلہ مخلوق
کے حلق مین نہ پہنچ سکا، تو (قیامت کے دن)
اس سے اس سو من کی بازپرس ہوگی، اور اسی
کے برابر اس سے واپس مانگا جائے گا،

یہی مذہب، وہی ثواب آخرت جسے غلط کارون نے ایک مدت تک تقریباً تمام اقوام و امم مین ترک دنیا
اور معاشی کاروبار سے بھگانے، نفرت دلانے کے آلہ کی حیثیت سے استعمال کیا، یہ اسلام کا معجزہ ہے کہ کسی

تنگ دنیا حریص نے نہین، بلکہ اسلامی رہبان (صوفیہ) کا جو سرگروہ ہے وہ اسی مذہب اور اسی ثواب آخرت
کو حصول دنیا اور معاشی کاروبار کی گرم بازاری کے لئے استعمال کرتا ہے، اور بغیر کسی دغدغہ کے یہ فیصلہ کرتا ہے
کہ اس کے خلاف ورزی کرنے والون یعنی ترک دنیا کرنے والون بلکہ دنیاوی کاروبار مین پوری توجہ اور انہماک
سے کام نہ لینے والون تک کو "بازخواست" کی سزا کے لئے تیار رہنا چاہئے،

آج مثلاً ہندوستان کے ان کاشتکارون کو جنھون نے محض اپنی آبائیت اور قدامت پرستی کے
تحت کشاورزی کے جدید آلات اور طریقون کو ترک کرکے اس ملک کی پیداوار کو تقریباً سارے جہان کی
پیداوار کے مقابلہ مین انتہائی پستی کی حالت مین ڈال رکھا ہے، یورپ اور امریکہ کے کسان زمین کے جس رقبہ
سے سنوسنو من غلے نکالتے ہین، ہندی کسان اپنے باپ دادون کے تقلیدی آسیب کا مارا ہوا کسان اسی رقبہ
سے بمشکل دس من نکالنے مین بھی دشواری محسوس کرتا ہے، آج کس کے پاس دنیا کے کس خطہ مین
کس قوم کے پاس ایسا دین اور مذہب ہے جو ہندی کسانون کے اس طرزِ عمل کو مذہبی گناہ، دینی جرم بتا کر
ان کی عملی قوتون مین بیداری پیدا کر سکتا ہے، لیکن آپ دیکھ رہے ہین، کہ اسلام مین جس گروہ کو تارک الدنیا
فقیرون مین شمار کیا جاتا ہے، اسی گروہ کا ایک پیشوا جو یہ کہنے پر مجبور ہوا ہے کہ کسان کی کاہلی اور قلت توجہ
کی وجہ سے پیداوار کی جو مقدار زمین سے باہر نہ آسکی، اور خلقِ خدا کے حلق تک نہ پہونچ سکی،

بقدر آن ازوے بازخواست خواہند کرد

اسی کے برابر اس شخص سے اتنا ہی واپس
مانگا جائے گا،

یقیناً یہ اسی دین کا پیغام ہے جس نے "استعمار ارض" یعنی زمین کی آبادی کو بھی ان ہی فرائض مین داخل
کر دیا ہے، جن کی بجا آوری پر مذاہب مین جنت کی آبادی کے وعدے کئے گئے ہین، آخرت کو آباد کرنے کیلئے
دنیا کو آباد کرو، بتایا جائے کہ اسلام کے سوا اس نظریہ کی دعوت کس نے دی ہے، اور کون دے رہا ہے اپنی
توانائیون کو تعطل اور بے کاری کے عوارض سے مفلوج کرکے باتدائی[1] زندگی گذارنے والے خدا جانے اپنے

---

[1] دیکھو ص آیندہ،

اس مسلک کے متعلق کیا کیا ایچ و پیچ لیا پکارتے رہتے ہین، لیکن صوفیانہ نقطۂ نظر سے بھی جس نے اسلامی نظریات کی شرح کی ہے، وہ آخر مین اس اعلان پر اپنے مذکورہ بیان کو ختم کرتا ہے، حضرت علاؤ الدولہ سمنانی آخر مین فرماتے ہین کہ اگر کوئی

از کاہلی ترک عمارت زمین کند و آن را — اپنی کاہلی سے زمین کی آبادی چھوڑ بیٹھا ہو

ترک دنیا و زہد نام نہد، جز متابعت شیطان — اور اس کا نام اس نے ترک دنیا اور زہد

چیزے دیگر نیست، — رکھا ہو، یہ شیطان کی پیروی کے سوا اور

(ص ۴۰۰ نفحات) — کچھ نہین ہے

اور قرآنی حکم سے اعراض کرکے جو دوسری مخالف راہ اختیار کرے گا، اگر وہ شیطان کی پیروی نہین کر رہا ہے، تو اور کیا کر رہا ہے، اور سچ تو یہ ہو کہ جب قرآن نے

انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لہا، — ہم نے زمین پر جو کچھ ہے، اوسے زمین کا

(الکہف ۱۵) — سنگار بنایا ہے،

کا اعلان کرکے "ما علی الارض" (یعنی روے زمین پر جو کچھ ہے) اسکو زمین کی آرایش اور اس کا بناؤ سنگار قرار دے دیا ہو، تو پھر زمین کی پیداوارون مین دخل یعنی آمدنی اور نفع ہی کا پہلو کیون پیش نظر رکھا جائے خود اسی قرآن مین جب انسانی سواریون تک مین یہ چاہا گیا ہے، کہ نفع کے ساتھ ساتھ اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ ان سے ایک قسم کی آرایش اور زینت ہوتی ہے، تو خدا نے اور جن چیزون کو زینت کے لئے بھی پیدا کیا ہے، اُن سے علاوہ مادی منافع کے زینت کا کام کیون نہ لیا جائے گھوڑون، خچرون،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۵) لہ باندا بہاری لفظ ہے، عموماً درختون پر ایک نباتی شے جسے دوسرے صوبون مین شاید قرض خوا کہتے ہین، بہار مین اس کا یہی نام ہے، یہ اپنی غذا زمین سے خود حاصل نہین کرتا، بلکہ دوسرے درختون پر سوار ہو کر ان کی حاصل کی ہوئی غذا سے پیٹ پالتا ہو، ۱۲

گدہون کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

الخیل والبغال والحمار لترکبوها وزینۃ — گھوڑے، خچر، گدہے اسی لئے ہین کہ ان پر سواری

(النحل ۱۴) — کرو، اور وہ آرایش ہین،

صبح اور شام کے سہانے وقتون مین خصوصاً دیہات کی صبح و شام مین جو یہ منظر سامنے آتا ہے، کہ گاؤن کی مویشیان آپس مین ملی جلی صبح کو آبادی سے نکل کر چراگاہون کی طرف جا رہی ہین، اور شام کو واپس آتی ہین،

ولکم فیہا جمال حین تریحون وحین — تمھارے لئے ان (مویشیوں) مین جمال و حسن

تصبحون، (النحل ۱۴) — ہے، جب تم شام کرتے ہو اور صبح کرتے ہو،

کے چونکا دینے والے فقرہ سے قرآن انسانی فطرت کی جمالیاتی جستجو کو ایک "لذیذ یافت" اس سہانے منظر کی طرف متوجہ کرکے عطا کرتا ہے،

اسی طرح لباس کا ذکر کرکے ستر پوشی اور الحر والبرد (سردی و گرمی) سے حفاظت کے جو فوائد ہین، ان کے ذکر کے ساتھ ساتھ حُسن و زیبائی، سج دھج کے جو نتائج لباس سے حاصل ہوتے ہین، ان پر بھی تنبہ کرتے ہوئے سورہ الاعراف مین فرمایا گیا،

یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا — اے آدم کے بچو، ہم نے اتارا تم پر

یواری سوآتکم وریشا، — لباس جو چھپاتا ہے شرمگاہون کو تمھاری

(الاعراف ۳) — اور وہ آرایش بھی ہے)

اس کے سوا آگے،

خذوا زینتکم عند کل مسجد، — اپنی آرایش کو اختیار کرو ہر سجدہ گاہ

(الاعراف ۳) — کے پاس،

کا جو حکم دیا گیا ہے، اس میں تو لباس کو زینت اور زینت کو لباس قرار دیتے ہوئے بظاہر اس طرف اشارہ ہے
کہ جس لباس سے بجائے سنورنے کے آدمی کی ہیئت اور بگڑ جائے، اسے لباس ہی نہیں قرار دینا چاہئے، خود
سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا عام دستور تھا، کہ نیا جوڑا جب زیب تن فرماتے، تو اس وقت بے ساختہ
زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہو جاتے،

الحمد للہ الذی کسانی ما اواری بہ	ستایش ہے اس اللہ کے لئے جس نے پہنائی
عورتی واتجمل بہا فی حیاتی	مجھے وہ چیز جو چھپاتی ہے میرے ستر عورت کو اور جمال حاصل کرتا ہوں میں اوس سے زندگی میں،

شکر کے ان الفاظ میں "فی حیاتی" کی قید تو غالباً اظہار واقعہ کے لئے ہے، ورنہ اسلام کا جمالیاتی نقطہ نظر
تو حیات و زندگی کے دائرہ سے بھی آگے بڑھکر موت تک کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے، ترمذی کی
مشہور حدیث ہے کہ مسلمانوں کو خطاب کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم دیتے تھے، کہ

اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ (ترمذی)	جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی کو کفن پہنائے تو چاہئے کہ اچھا کفن پہنائے اسکو،

قبر تک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک کسی بدہیتی اور بھونڈے پن کو برداشت نہیں کر سکتی تھی،
ایک دن کا واقعہ ہے، کہ اتفاقاً کسی قبر میں کچھ رخنہ رہ گیا تھا، پورے طور پر جیسا چاہئے برابر نہیں
کی گئی تھی، حضرت انسؓ خادم خاص نبوت کا بیان ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس رخنہ کو نہ دیکھ سکے
کنز العمال میں ہے کہ

امر بہا ان تسد	حکم دیا کہ اس رخنہ کو بند کر دیا جائے،

ایک صحابی نے جو پاس ہی کھڑے تھے، انھون نے عرض کیا کہ حضورؐ! اس سے بیچارے مردے کو کیا نفع

پہنچے گا، جہان کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھنے والے کو سمجھایا،

اما انہا لا تضر ولا تنفع ولکن تقر عین الحی،	بیشک اس سے نہ ضرر پہنچتا ہے نہ نفع، مگر ٹھنڈی ہوتی ہے اس سے زندہ کی آنکھ،

یعنی مردے کو نہیں بلکہ زندون کی آنکھیں اس سے خنکی حاصل کرتی ہیں اسی کے قریب قریب دوسری
روایت میں ہے،

تطیب عین الحی	بھلا معلوم ہوتا ہے زندون کی آنکھون کو،

قبور تک میں جو دین آنکھون کی خنکی تلاش کرتا ہو آنکھون کو بھلا معلوم ہو، ایسی قبر بنانے کی تعلیم دیتا ہو
اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کی اور چیزون کے متعلق حسن کاری اور حسن پسندی میں اس کا پاکیزہ مذاق
کتنا بلند اور ستھرا ہوگا، نیک نامون کے بدنام کرنے والے ان چند نفوس کو آج کس میں یہ جرأت ہے جو
یہ جاکر سنائے، کہ جس الجھی ہوئی ڈاڑھی، پریشان بال بے تکے لباس کو وہ مذہبی اور دینی شکل کا نام دے
رہے ہیں، دین کے سب سے بڑے معلم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک میں وہی بے دینی کی علامت شمار ہوئی
تھی، مجمع الفوائد میں امام مالک کی سند سے یہ حدیث مذکور ہے کہ

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے، اتنے
فی المسجد فدخل رجل ثائر	میں ایک آدمی داخل ہوا، جس کے سر اور داڑھی
الرأس واللحیۃ فاشار الیہ صلی	کے بال الجھے ہوئے پریشان تھے، آنحضرت
اللہ علیہ وسلم بیدہ کانہ	صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف کچھ اشارہ
یامر باصلاح شعرہ ولحیتہ	فرمایا، گویا اُسے حکم دے رہے ہیں کہ اپنے
ففعل ثم رجع فقال صلی اللہ	بال اور داڑھی کو درست کرے، اُس شخص
علیہ وسلم الیس ھذا خیراً	نے تب یہی کیا، اور واپس پلٹ کر آیا، حضور

من ان یاتی احدکم ثائر الراس کانّہ شیطان،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا یہ اچھا نہیں ہے، اس بات سے کہ تم میں سے کوئی آتا ہے، سر کے بالون کو پریشان کئے ہوئے' گویا کہ وہ کوئی شیطان (بھوت) ہے،

"کانّہ شیطان" کے آخری الفاظ بہت زیادہ قابل توجہ ہین اُن کے لئے جنھین اپنی "ثائر الراس واللحیۃ" والی شکلون پر ملکوتیت کا مغالطہ لگا ہوا ہے، جن مسلمانون کو اپنی داڑھی کے جنگلون پر ناز ہے، وہی جنھین دیکھکر بجائے مسلمان ہونے کے کبھی کبھی سکھ ہونے کا دھوکہ ہوا ہے، ان کو نبوتِ محمدیہ کے سب سے بڑے مذاق شناس فاروق اعظمؓ کا یہ اثر یاد رکھنا چاہئے جسے بخاری کی شرح مین علامہ محمود بدر الدین عینی نے نقل کیا ہے :-

انہ رئی رجلاً قد ترک لحیۃ حتی کبرت فاخذ یجذ بہا ثم قال ائتونی بجلمتین ثم امر رجلاً فجز تحت یدہ

انھون نے دیکھا ایک آدمی کو جس نے چھوڑ رکھی تھی اپنی ڈاڑھی اتنی کہ وہ بہت بڑھ گئی تھی، حضرت عمرؓ اُسے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہے تھے، پھر آپ نے قینچی منگائی، اور ایک آدمی کو حکم دیا تو اوس نے ڈاڑھی کا جتنا حصہ ہاتھ کے نیچے تھا (غالباً یہ مقدار قبضہ چھوڑ کر) چھانٹ دیا'

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچ رہے تھے، یہ جملہ قابلِ غور ہے، آج ایسی ڈاڑھیون کو ہاتھ لگانے والا بیچارہ "کفر" کے فتویٰ سے بچ سکتا ہے، اور فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف اسی فعل پر بس نہین فرماتے ہین، اس کام کو ختم کرکے ارشاد ہوا

یترک احدکم نفسہ کانہ سبع

تمھارے بعض لوگ اپنے آپ کو کچھ اس طرح

من السباع، (عینی ص ۲۸۵ ج ۱)

چھوڑ دیتے ہین، کہ گویا درندون مین سے کوئی ایک درندہ ہے،

"درندون مین سے ایک" درندہ بن جانا ایک بڑا معیار ہے ان لوگون کے لئے جن کی سمجھ مین اب تک یہ نہین آیا کہ انسانیت کی تکمیل اور اس مین حُسن وجمال پیدا کرنے والا اسلام ان سے کیا چاہتا ہے، مین نے پیدا کرنے کا لفظ قصداً استعمال کیا، کیونکہ شاید میری گذشتہ شہادتون سے کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو، کہ اسلام صرف حسن پسندی اور جمال پذیرائی جذبات کے بیدار کرنے کی حد تک اپنے ماننے والون پر اصرار کرتا ہے، حالانکہ جو کچھ اب تک کہا جا چکا ہے، اس سے اگر ایک طرف حسن پسندی تو دوسری طرف حسن کاری کی حوصلہ افزائیون پر کم روشنی نہین پڑ رہی ہے، مگر آج جو اپنا سب کچھ کھو چکے ہین، ان مسلمانون تک اس آواز کو کون پہنچائے کہ تمھارے اسلاف کے فنون لطیفہ کا ایک بڑا شعبہ[1] جس پر آج یورپ سر دُھن رہا ہے، ان کی جمالیاتی دلکشیون مین اس دینی تربیت کو بھی بڑا دخل تھا، جو اس دین کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی امت کی کی تھی، اگر صحیح مسلم کی یہ مشہور روایت صحیح ہے،

ان اللہ کتب الاحسان علی کل شئی فاذا ذبحتم فاحسنوا الذبح واذا قتلتم فاحسنوا القتل، ([illegible])

تعالیٰ اللہ نے حسن کاری ہر چیز پر واجب کی ہو تو اسلئے چاہیے کہ تم جب ذبح بھی کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو۔

اور نہ صحیح ہونے کی بظاہر کوئی وجہ نہین، کہ مسلم کے سوا بھی صحاح کی اکثر کتابون مین موجود ہے، تو اس کا مطلب

---

[1] مطلب یہ ہے کہ فنون لطیفہ کی بعض ایسی شاخین جن کے بڑھنے سے انسانیت کی جڑ کٹتی تھی، اسلام نے جڑ کی حفاظت کے لئے فنون لطیفہ کی ایسی شاخون کا کاٹ دینا ضروری خیال کیا، جن مین سب سے زیادہ اہمیت تصویر کشی کو ہے خرافاتی ظلمات کا وہ حیرت انگیز کارخانہ جس کا نام اصنامی نظام یا بُت پرستی ہے، جس کی بدولت ساری مخلوقات کے آقا انسان کو سارے جہان کی غلامی کا طوق اپنے گلے مین ڈالنا پڑا، اور جس کی بدولت آدمی کی دولت' اسکی عزت، صحت

بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ حسن و جمال کے قالب مین ڈھالے بغیر اسلام نہین چاہتا کہ کسی مسلمان سے کوئی فعل بھی صادر ہو، سب سے آخری کام جس مین حسن کاری کا آدمی خیال نہین کر سکتا، وہ قتل اور ذبح کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، مگر جب ان افعال مین بھی پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے، کہ حسن پیدا کرنے کی کوشش کیجائے، تو ان صناعات اور کاریگریون مین جن مین عموماً آدمی کی فطرت تناسب وجمال کو چاہتی ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہو سکتا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہ فرمانے کے بعد کہ

ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیئ — اللہ نے ہر چیز مین حسن کاری کو واجب کیا ہے،

کسی مزید گفتگو کی حاجت بھی نہین رہتی، نیز حدیث کے اس حصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسن پسندی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذاتی مذاق بھی نہ تھا، بلکہ ہر چیز مین حسن پیدا کرنے کو اسی نے بندون پر واجب کیا ہے اور اسی کو واجب بھی کرنا ہی چاہئے تھا، جس سراپا حسن و جمال کے متعلق ارباب مشاہدہ کا بیان ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے،

ان اللہ جمیل ویحب الجمال، — بلا شبہہ اللہ تعالیٰ خود بھی جمیل ہین، اور جمال کو پسند فرماتے ہین، (مسلم وغیرہ)

استاذ الامام مولانا انور شاہ الکشمیری نور اللہ مرقدہٗ نے ایمان واحسان کی حدیث پڑھاتے ہوئے فرمایا تھا کہ ان مواقع مین احسان کا (حسن پیدا کردن) لغۃً ترجمہ صحیح ہے، آپ کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ قرآن پاک مین "محسنین" کا لفظ جہان کہین آیا ہے اس کے معنی بھی یہی ہین، کہ جو اپنے ایمان وعمل مین حسن پسند واقع ہوئے ہون، یعنی ایمان وعمل کے ادنیٰ درجہ پر قانع نہ ہون، بلکہ ان امور کے حسن کا جو درجہ ہے، اس کے حصول

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۱) بلکہ نسلی خصوصیتون پر سینمائی اور عریانی تصویرون سے جو زد پڑ رہی ہے، اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے، آئندہ وقانونی ابواب مین بھی اس کا ذکر آئے گا، ۱۲

مین کوشان، گویا "المحسنون" مسلمانون کا وہ طبقہ ہے، جو زندگی کے تمام مطلوبہ شعبون مین حسن پسند واقع ہوا ہو ظاہر ہے کہ یون سر کا بوجھ اُتارنے کے لئے جو کام کئے جاتے ہین اس مین نہ زیادہ مشقت ہوتی ہے، نہ زیادہ وقت لگتا ہے، نہ زیادہ محنت صرف ہوتی ہے، لیکن اگر یہ ارادہ کر لیا جائے کہ جو کام بھی کیا جائے پورے حسن سلیقہ کے ساتھ کیا جائے، اس کے لئے تو سب ہی کچھ کرنا پڑتا ہے، پھر ان حسن کارون اور محسنون کو جمال مطلق کی محبوبیت کا مقام اگر حاصل ہو، جس کا قرآن مین بار بار اعلان کیا گیا ہے، تو اپنی محنت ومشقت جانفشانی کی بنیاد پر یقیناً وہ اس کے مستحق ہین، مین یہ تسلیم کرتا ہون، کہ قرآن کے "محسنین" سے مراد انہی لوگون کا گروہ ہے، جن کی زندگی خالق ومخلوق کے باہمی تعلقات کی تصحیح مین حسن کارانہ مجاہدون کے ساتھ بسر ہوتی ہے، اور عموماً یہی اس سے مراد بھی لیا گیا ہے، ایمان واسلام واحسان کی مشہور حدیث مین الاحسان کی جو شرح

تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک، — پوجو اللہ کو اس طریقہ سے کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، پس اگر تو دیکھ نہ پاؤ اسکو تو خیال کرو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے،

کے الفاظ مین کی گئی ہے، اس شرح سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے، اور اسی بنیاد پر سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانون مین محسنون کا طبقہ وہی ہے، جسے عام محاورون مین صوفیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے[1]

[1] مین نے یہ ترجمہ اُن لوگون کے مطابق کیا ہے، جن پر انت الظاہر فلیس فوقک شیئ (تو ہی کھلا ہوا ہے تیرے اوپر کچھ نہین ہے) اس حدیث صحیح کا راز واضح ہو چکا ہے، اور جو دیدہ آئینہ دار طلعت اوست کے مقام کو اپنا مقام بنا چکے ہین، کسی مخلوق کو خالق کے ظہور کے بغیر ان کے لئے ناقابل تصور بات ہو چکی ہے، ان پر "لا احب الآفلین" (مین ڈھل جانے والے کو پیار نہین کر سکتا) کی ابراہیمی تجلی چمک چکی ہے، باقی جو عالم کو عالم کے حقائق سے لوٹتا ہوا تصور کرتے ہین، گویا کچھ ایسا خیال کرتے ہین، کہ معاذ اللہ عالم پیدائش مین تو خدا کا محتاج ہے، لیکن وجود آ اپنے بقا مین خدا کی شاید اس کو ضرورت نہین اسی لئے

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اگر واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے یعنی

ان العبد اذا عمل عملا احب اللّٰہ — جب بندہ کوئی کام کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ

ان یتقنہ — چاہتے ہیں، کہ اس میں اتقان پیدا کرے یعنی

(کنز العمال) — اس کو ٹھیک جیسا کہ چاہئے اسی طرح انجام دے،

تو میں نہیں سمجھتا کہ مسلمان صناعوں اور کاریگروں میں جو لوگ اپنے اپنے مصنوعات اور اپنی اپنی دستکاریوں میں اس نے اتقان و استواری تناسب و موزونیت پیدا کرتے ہیں، کہ ان کا خدا ان کے اس فعل کو محبوب رکھتا ہے، تو حسن کاروں کے اس گروہ کو بھی محبت کے اس امتیاز سے کیسے محروم رکھا جا سکتا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ جس دین نے اپنے ماننے والوں کے لئے مشغولیت کا ایسا نظام پیدا کیا ہے کہ اس دین کے مطابق عزم کی پوری طاقت کے ساتھ جو دیندارانہ زندگی بسر کریں گے ان کے لئے کاہلی و بے کاری اپاہج پن اور بے روزگاری کے لئے کوئی گنجایش کیسے باقی رہ سکتی ؟

معلم الامۃ امام الفقہا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو یہ فرمایا کرتے تھے کہ

انی لاکرہ ان اری الرجل فارغا — میں اس کو ناپسند کرتا ہوں کہ آدمی کو فارغ

لا فی عمل الدنیا و لا فی الآخرۃ، — دیکھوں، یعنی نہ دنیا کے کسی کام میں مشغول ہو

(مجمع الزوائد) — اور نہ الآخرۃ کے کام میں،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۳) مخلوق کے وجود کو خالق کے وجود سے اس طرح جدا تصور کرتے ہیں، جس طرح دو مخلوقوں کے وجود باہم ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں ایک کا تحقق دوسری مخلوق کے تحقق کے بغیر ہو سکتا ہے، اس قسم کے عامیانہ غیر قرآنی رجحانات والوں کے لئے اس حدیث کا ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تو جو خدا کو اس طرح کہ گویا انکو دیکھ رہا ہو یعنی خدا کے ساتھ ایسا ہی تعلق رکھنا چاہئے جیسے کسی دیکھے بھالے سے، اگلے فقرہ کا مطلب یہ ہوگا کہ کیونکہ خدا کو اگر تم دیکھتے نہیں تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے، اسلئے خدا کیساتھ وہی معاملہ کرنا چاہئے جیسے کسی دیکھے بھالے کیساتھ کیا جاتا ہے، بعض شراح حدیث نے اس کا یہ مطلب بھی لکھا ہے، دیکھو! نووی شرح مسلم ۱۲

غالباً اس کا یہی مطلب تھا کہ اسلام نے مسلمانوں کی عملی زندگی کا جو "دستور" اور "آئین" بنایا ہے، اس میں اس قسم کی لغو فارغ البالی کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے لیکن آہ کہ یہ "مین" کن بھینسوں کے سامنے آج بجائی جا رہی ہے جن "نظام الاوقات" میں "فراغت" کے سوا افسوس کہ کوئی دوسری گنجایش باقی نہیں رہی ہے، مسلمانوں کی "فارغ البالی" اور "فرصت" کے اسی عجیب و غریب ذوق کا یہ نتیجہ ہے، کہ خدا کا وہ "دین" بھی آج اغیار کی محفلوں میں کاہلی کے پیغام اور بے عملی کے نظام کے نام سے بالآخر بدنام ہو کر رہا، جس کے متعلق گذر چکا کہ "ابتغاء فضل اللہ" یا معاشی جد و جہد میں مسلمانوں کے قدم دوسروں سے کسی طرح پیچھے نہ رہیں، سورۂ مزمل میں ایک مستقل فرض نماز کی فرضیت تک کو منسوخ کر دینا گوارا کر لیا گیا تھا، ممکن ہے کہ ارباب تنقید کو طبرانی کی اس حدیث پر "سند" کچھ اعتراض ہو جس میں ہے کہ "ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا، کہ میرا پیشہ اور گذر بسر کا ذریعہ شکار ہے، جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے کی وجہ سے عموماً نماز با جماعت کی سعادت سے میں محروم رہتا ہوں، میرے متعلق کیا حکم ہے، ترک جماعت کی سزا میں جس پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گھروں میں آگ لگوا دینے کی دھمکی دی تھی، اور ایک نابینا صحابی نے جب نابینائی کے عذر کو پیش کرتے ہوئے چاہا تھا، کہ جماعت کی حاضری سے مستثنیٰ کر دیئے جائیں، تو یہ دریافت فرمانے کے بعد کہ اذان کی آواز تمہارے گھر تک پہنچتی ہے، صحابی نے اثبات میں جواب دیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلا اذا یعنی تو ایسی صورت میں تم مستثنیٰ نہیں ہو سکتے) فرمایا تھا، آج ایک معاشی عذر کے پیش ہونے پر سننے کی بات ہے، خدا کا وہی رسول

(صلوٰۃ ہو ان پر اور سلام ہو ان پر) کیا ارشاد فرماتے ہیں،

نعم العمل، قد کانت قبلی رسل کلھم[۱] — بہت اچھا مشغلہ ہے مجھ سے پہلے جتنے پیغمبر گذرے

[۱] اور بعد کو بھی جن بزرگوں کو امت اسلامیہ میں انبیائے بنی اسرائیل کا مقام حاصل ہوا، مثلاً ولی الہند خواجہ بزرگ اجمیری قدس اللہ العزیز کے حالات میں پڑھئے، اصطاد کے ذوق کا ثبوت ملے گا، سیدی الامام شیخنا و شیخ الہند برد اللہ مضجعہ نے گذشتہ رسولوں کے اس عمل سے حصہ پایا تھا، اب یاد نہیں، کہ براہ راست حضرت والا سے سنا تھا، یا بیچ میں کوئی واسطہ ہے

یصطادو یطلب الصید و یکفیك من الصلوة فی جماعة اذا غبت عنها فی طلب الرزق حبك للجماعة واهلها، وحبك ذکر اللہ واهله واسع علی اهلك وعیالك حلالا فان ذلك جهاد فی سبیل اللہ،

سب کے سب شکار کرتے تھے، اور شکار کی تلاش مین نکلتے تھے، باقی جماعت کی نماز کے لئے تمھارے واسطے بس یہ کافی ہے، کہ روزی کی تلاش مین جب تم کو جماعت سے غیر حاضر ہونا پڑے تو جماعت کی محبت، جماعت والون کی محبت، اللہ کے ذکر کی محبت، ذکر اللہ مین مشغول ہونے والون کی محبت اور اپنے اہل وعیال کے لئے حلال روزی کی تلاش کی خواہش، الغرض یہ سب چیزین جماعت کی عدم حاضری کی قائم مقامی کرتی ہین، چاہئے کہ اپنے اہل وعیال کے لئے طلب حلال مین

[illegible]

صاحب مجمع الزوائد کا جو طبرانی جیسے محدثین کی حدیثون مین سنداً کوئی سقم اگر پاتے ہین، تو اس پر تنبیہ کے بغیر نہین گذرتے، اس حدیث کے متعلق سکوت اختیار کرنا اولاً یہ خود دلیل ہے اس بات کی کہ کم از کم اُن کے نزدیک اسکی سند قابلِ اعتراض نہین، ثانیاً جب قرآن کا نص شاہد ہے، کہ ابتغائے رزق مین حرج واقع ہو اسی لئے تہجد کی فرضیت عام مسلمانون سے ساقط ہوئی، تو اس مین کیا تعجب ہے، کہ شارح قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ابتغائے رزق کے عذر کو پیش نظر رکھکر جماعت کی حاضری جو ظاہر ہے کہ فرض ہونے کی حیثیت نہین رکھتی اس سے کسی کو مستثنی فرما دیا ہو، بلکہ ارشاد گرامی کا آخری حصہ یعنی

واسع علی اهلك وعیالك حلالا

اور چاہئے کہ اپنے اہل وعیال کے لئے طلب حلال

(بقیہ حاشیہ ۱۲۵) کہ اپنے "الاستاذ" مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق شیخ الہند فرماتے تھے، کہ شکاری رزق کو اطیب الرزق اسلئے قرار دیتے تھے، کہ درمیان مین کسی آدمی کا ہاتھ نہین ہوتا، براہ راست خدا سے روزی حاصل ہوتی ہے ۱۲،

فان ذلك جهاد فی سبیل اللہ، کی کوشش کرو کہ یہ اللہ کی راہ مین جہاد ہے،

میرے نزدیک تو سورۂ مزمل ہی کی آیتون سے بظاہر مستنبط و ماخوذ ہے، اسلئے کہ تہجد کی فرضیت کے سقوط کے وجوہ بیان کرتے ہوئے قرآن مین ایک وجہ تو ابتغاء فضل اللہ اور دوسری وجہ اسی کے بعد وآخرون یقاتلون فی سبیل اللہ (یعنی دوسرے لوگ اللہ کی راہ مین قتال اور جہاد کرین گے) بھی بیان کی گئی ہے یعنی انہی دونون عذرون کی بنیاد پر اس نماز کی فرضیت ساقط کیجاتی ہے، جس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے، کہ خود قرآن نے بھی معاشی جد وجہد کو جہاد فی سبیل اللہ کا ہموزن اور ہمدوش قرار دیا ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت یہ فتویٰ دے رہے تھے، کہ "اہل وعیال کے مصارف اور نفقہ کی جستجو و تلاش مین تگ و دو، یہ بھی اللہ کی راہ مین جہاد کرنا ہے" اس وقت سورۂ مزمل کا یہ طرز بیان آپکے پیش نظر نہ تھا، رونے والا اگر آج کے مسلمانون کو دیکھکر ع امتی باعث رسوائی پیغمبر ہین، (اقبال مرحوم) کے الفاظ کے ساتھ عمر بھر روتا رہا تو کیا واقعی اس کا یہ نوحہ غلط نوحہ اور اس کا یہ گریہ غلط گریہ تھا،

یا للعجب! جس سرزمین کو نزول قرآن کی سعادت نصیب ہوئی تھی، آج خصوصیت کیساتھ اسی کے فرزند ہر قسم کے معاشی کاروبار سے بے تعلق ہو کر صرف بیرون عرب کے مسلمانون کے سینے کے بوجھ بنکر آبرو خاک مین ملا رہے ہین[1]، اور کیا کہون کس کی آبرو پر داغ لگا رہے ہیں، ؎

[1] ہنگامہ برپا کر دیا گیا ہے کہ عرب ایک چٹیل ریگستانی میدان ہے، وہان پیدا ہی کیا ہو سکتا ہے، مگر کہنے والون کو کیا کہئے جہان اللہ کا گھر ہے، اس مین شک نہین وہ تو بن کھیتی کا بیابان اور وادی غیر ذی زرع ہے لیکن یمن و نجد، یمامہ بحرین وغیرہ کے سیر حاصل خطون کو جانے دیجئے، خود سرزمین حجاز کا کیا واقعی ہمیشہ سے یہی حال تھا جو آج ہے مین نے کسی موقع پر اسی حجاز کے تاکستان وہطا نامی کا تذکرہ کیا تھا جس مین دس لاکھ بیلین منڈوے پر چڑھی ہوئی تھین، اسی حجاز مین خیبر بھی تو ہے آج بھی جن لوگون نے اس کا معائنہ کیا ہو بہا سبعة اودیة سائلة ونخیله فوق التصور (الارتسامات ۲۷) (یعنی بہتی ہوئی سات ندیان ہین، اور نخلستانون کا کوئی ٹھکانا ہی نہین ہے، وادی القری کا بھی یہی حال ہے، مدینہ منورہ کے اطراف مین عقیق کبریٰ صغریٰ

لمثل هذا يذوب القلب من كمد　　ان كان فى القلب ايمان واسلام

اسلام اور کیا کرتا، اسلام کا رسول (صلوٰۃ اللہ علیہ) اور کیا کہتا، جو کچھ کہا جا سکتا تھا، اور جو کبھی کسی سے نہیں کہا گیا تھا، سب تو کہدیا گیا تھا، پھر اگر کسی قوم کو اسی پر اصرار ہو کہ جو کچھ کہا جائے گا، ہم نے طے کر لیا ہے، کہ وہ نہ سنیں گے، پھر اس کا علاج کس کے پاس، رسول کو تو رسول کے خدا نے بھی کہدیا تھا،

فذكر انما انت مذكر لست عليهم　　تم چونکا دو، ان پر تم کو داروغہ نہیں بنایا گیا ہے

بمسيطر فمن تولى وكفر فيعذبه　　پھر جو پیٹھ پھیرے، اور انکار کرے گا، تو اللہ

الله العذاب الاكبر،　　اس کو بڑا عذاب دیگا،

(باقی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰) کی نہر ان نیبوع کے متعلق یاقوت نے لکھا ہے کہ اسمیں ایک سو ستر چشمے جاری تھے، مشہور نومسلم لیوپولڈ صاحب جو اسد اللہ کے نام سے مشہور ہیں اور بخاری کا انگریزی میں ترجمہ کر رہے ہیں امیر شکیب ارسلان نے ان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جب میں عرب کی سیاحت کر رہا تھا تو حجاز کے جنوبی حصہ میں بیشہ نامی وادی پر گذر ہوا، اس وادی میں اس کے اطراف کی زمینوں میں جو صلاحیت انھوں نے پائی کہتے تھے کہ کم دانوں کی خوراک سالانہ کیلئے صرف حجاز کی دہی زمین کافی ہے علاوہ نخلستانوں کے سرزمین عرب اپنے اندر معدنیات کی جو دولت چھپائی ہوئی ہے اسکا کون اندازہ کر سکتا ہے سونا چاندی، تانبہ، قیمتی حتی کہ اب تو پٹرول تک کے ذخیرہ کا پتہ اس سرزمین میں مل چکا ہے لیکن افسوس ہے اپنے عہد شادابی میں مسلمانوں نے پورے ملک کو لاڈ اور پیار میں بگاڑ دیا، کہتے ہیں کہ مصر کی زمین کا پانچواں حصہ حرمین پر وقف ہے سلطان محمد فاتح نے جس دن قسطنطنیہ میں پہلا قدم رکھا اعلان کیا، وقفت هذه تيعمر على مدينة النبى صلى الله عليه وسلم کہتے ہیں کہ کمالی عہد سے پہلے تقریباً پانچ کرور روپیہ حرمین پر خرچ کر دیتے تھے دنیا کے سلاطین اور امرا جو کچھ بھیجتے تھے اسکا کوئی ٹھکانا ہے اسی سے اندازہ کیجئے کہ بہمنی بادشاہ محمد شاہ کی والدہ حج کے ارادہ سے مکہ جانے لگیں تو بادشاہ نے اپنی طرف سے والدہ کی خدمت میں باشندگان حرمین میں تقسیم کرنے کیلئے جو رقم دی تھی، فرشتہ اور خافی خان وغیرہ نے لکھا ہے کہ چار صندوق طلا و ہفت صندوق نقرہ تھا، چار سو من سونا، اور سات سو من چاندی صرف ایک عورت اپنے ہاتھ سے عرب لیجاتی ہے اور سب کو دیں خرچ کر کے واپس آتی ہے آج بھی اسی دکن سے اس زمانہ میں بھی کم از کم دس ہزار ماہوار سے کم رقم قاطنین حرمین کیلئے سلطنت آصفیہ خلد اللہ ملکہا نہیں بھیجتی، افسوس کہ یہی خیر ایک گونہ باعث شر ہو گیا، جد و اجتہاد اور کمانے کی صلاحیت وہاں کے باشندوں سے جاتی رہی آخر یہی حجاز تھا کوشش کیگئی تو عرفات جیسے میدان میں بھی نہر جاری ہو گئی، عبد اللہ بن عامر کہا جاتا ہے کہ صحابی تھے، یعنی بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش ہوئے تھے، بصرہ سے مکہ تک انھوں نے اپنے گورنری کے زمانہ میں کنوان اور سرائے بنوائی تھی حتی کہ اتحد بعرفات حياضا ونخلا، مسلمانوں کا دارالہجرت عرب ہی ہو سکتا تھا لیکن معاشی ضیق جب تک ہے جا نہ آئی اخر کیا ان جائیں؟!

اشتراکیت اور اسلام

از

جناب محمد مظہر الدین صاحب صدیقی بی اے حیدرآباد دکن

(۲)

اشتراکی نظریات پر ایک تنقیدی نگاہ

مارکس اور انجلس کے مرتب کردہ اشتمالی منشور کا آغاز اس بلند آہنگ دعوی سے ہوتا ہے: "انسان نے اس وقت جتنے معاشرے قائم کئے ہیں، ان سب کی تاریخ طبقاتی نزاع کی تاریخ ہے، غلام اور آقا، امراء اور جمہور، سرمایہ دار اور مزدور، مختصر یہ کہ ظالم و مظلوم ہمیشہ ایک دوسرے کے مخالف اور باہم برسر پیکار رہے ہیں"

یہ دعوی منجملہ اور دعووں کے ہے، جن سے اشتراکی لٹریچر بھرا پڑا ہے لیکن جن کے ثبوت میں کوئی تشفی بخش دلیل آج تک نہیں پیش کیجا سکی، اشتراکیوں کے تمام فلاسفہ اور مفکرین کا ابتدا سے یہ شیوہ رہا ہے، کہ وہ تاریخی واقعات میں صرف اپنے مفید مطلب باتیں چھانٹ لیتے ہیں، اور جتنے واقعات ان کے نظریے کے خلاف ملتے ہیں، انھیں یا تو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں، یا ان کی غلط تاویل کرنے لگتے ہیں، کوئی شخص جس نے تاریخ پر غیر جانبدارانہ اور گہری نظر ڈالی ہو، کبھی اس دعوی کو تسلیم نہیں کر سکتا ہے، کہ انسانی معاشرہ کی تاریخ صرف طبقاتی جنگ کی تاریخ ہے، یہ بات اور ہے کہ طبقاتی نزاعوں نے بھی واقعات وحالات کی تشکیل پر گہرا اثر ڈالا ہے، لیکن یہ دعوی سراسر مہمل ہے، کہ طبقاتی نزاع سے ہی انسان کی پوری تاریخ بنی ہے، قومی لڑائیوں اور جھگڑوں نے تاریخ پر طبقاتی جنگوں سے کہیں زیادہ گہرا اثر مترتب

کیا ہے، سکندر، ہینیبال، ہلاکو خان، چنگیز خان، صلاح الدین ایوبی اور بایزید نے جتنی جنگیں لڑین، وہ طبقاتی جنگین تھین، لیکن ان کے نتائج و اثرات آج تک باقی ہین، البتہ اس کا کوئی علاج نہین ہے، کہ قومی جنگون کا سرا بھی طبقاتی لڑائیون سے لاکر ملا دیا جائے، یرقان کے مریض کو دنیا کی تمام چیزین زرد نظر آتی ہین لیکن اس کے یہ معنی نہین، کہ وہ واقعۃً زرد ہین، ساری تاریخ اس دعوی کو جھٹلاتی ہے، کہ امرا، اور جمہور، غلام اور آقا، مزدور اور سرمایہ دار ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہے ہین، تاریخ مین جتنی قومین اور مذہبی لڑائیان ہوئین، ان سب مین امرا، اور جمہور، غلام اور آقا، مزدورون اور سرمایہ دارون نے آپس مین مل کر اپنے حریفون کا مقابلہ کیا اور باہمی اختلافات کو قومی اور مذہبی عزت پر قربان کر دیا، روما کے وہ کون شہری تھے جنھون نے پہلے لاطینی لڑائیون اور پھر قرطاجنہ (Carthage) کے مقابلہ مین داد شجاعت دی، کیا وہ روما کے عوام (Plebians.) نہین تھے جنھون نے اشراف (Patricians.) سے مل کر بیرونی دشمن کا مقابلہ کیا، عربون کی وہ افواج کن افراد پر مشتمل تھین جنھون نے صحرا سے نکلکر قیصر و کسریٰ کی سلطنت کو الٹ دیا تھا، کیا ان مین قریشی انصاری تیمی اور دیگر قبائل کے امیر و غریب شریک نہ تھے، جنگ عظیم مین انگلستان، فرانس اور جرمنی کے مزدورون نے کس کا ساتھ دیا، اشتراکیت کے لاطائل پروپگنڈے کے باوجود گذشتہ جنگ مین ہر ملک کے مزدورون نے اس کے جملہ دیگر طبقون کے ساتھ ملکر اپنی قوم کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دی، اور کیا موجودہ جنگ مین مزدورون کا عمل اس سے مختلف رہا ہے، کیا اس وقت جرمنی کے مزدور اپنی قوم کے لئے انگلستان کے مزدور اپنے ملک کیلئے اور امریکہ کے مزدور اپنی جمہوریت کیلئے خون پسینہ ایک نہین کر رہے ہین، ان واقعات سے آنکھین پھیر لینا صرف اپنے مفید مطلب واقعات کو استدلال مین پیش کرنا، اور پھر یہ دعوی کرنا کہ ساری تاریخ طبقاتی شعور و احساس کی ایک داستان مسلسل ہے، صرف انہی لوگون کا کام ہے، جو جذبات کے ہیجان مین نظر کا توازن قائم نہیں رکھ سکتے ہین،

تاریخ کے سیاسی اور مذہبی انقلابات کے متعلق اشتراکیون کا دعوی ہے، کہ یہ تمام انقلابات درحقیقت

معاشی اسباب و محرکات سے ظہور پذیر ہوئے ہین، نیز انسان کے تمام اخلاقی تصورات، مذہبی افکار اور سیاسی نظریات ان معاشی قوتون سے ضمناً پیدا ہوئے ہین جو تاریخی انقلابات کو وجود مین لاتی ہین، اب اگر اشتراکی حضرات سے یہ سوال کیا جاتا ہے، کہ وہ کیا معاشی اسباب و محرکات تھے جنھون نے چھٹی صدی عیسوی مین عربون کے اندر ایک مذہبی انقلاب پیدا کر کے انھین وحشت و جہالت کی زندگی سے نکالا، اور وقت کی عظیم ترین انقلابی اور تہذیبی قوت بنا دیا تو فوراً جواب ملتا ہے، کہ عربون کا افلاس، ان کی معاشی بدحالی اور اقتصادی پستی، اس انقلاب کا اصل باعث تھی، کیونکہ انہی باتون نے عربون کو مجبور کیا کہ وہ دوسرے ملکون کو فتح کر کے اپنے لئے سامان زندگی مہیا کرین، اگر یہ دلیل صحیح مان لیجائے، تو پھر یہ بات مطلق سمجھ مین نہین آتی ہے، کہ اشتراکیت کا پرچار کیون کیا جائے اور معاشی مصائب یا اقتصادی پستی کو دور کرنے کی کیون کوشش کیجائے، کیونکہ اس دلیل کی بنا پر معاشی بدحالی اور اقتصادی مشکلات کو دنیا کی سب سے بڑی تہذیبی قوت تسلیم کرنا ہوگا، اگر عربون کا افلاس، ان کی فاقہ کشی اور ان کے معاشی مصائب ہی ان کی تمام اولوالعزمیون، فتحمندیون اور اصلاحی کوششون کا باعث تھے، تو پھر یہ ماننا پڑے گا، کہ دنیا مین معاشی زبون حالی اور افلاس و تنگی سے زیادہ مبارک اور خوش انجام کوئی اور حالت نہین ہوسکتی ہے، کیونکہ اسی نے چھٹی صدی عیسوی مین وہ انقلاب عظیم پیدا کیا، جس کے نتیجہ مین مغربی ایشیا کی مظلوم قومون کو ان کے ظالم حکمرانون سے رہائی ملی، اور عربون کے اندر وہ سائنٹفک اسپرٹ پیدا کی جس کے اثرات نے یورپ کو وحشت و بربریت سے نکال کر مادی ترقی کے راستہ پر گامزن کیا، محض معاشی پستی اور افلاس سے اگر یہ اعلیٰ نتائج حاصل ہوسکتے ہین، تو اسے مٹانے اور فنا کرنے کے بجائے اس کا قائم رکھنا زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے، تاریخ پر ایک آنکھ سے نگاہ ڈالنا، اور اس مین سے صرف من مانی باتون کو چن لینا اسی قسم کی تضاد بیانی کا موجب ہوا کرتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ عربون کی فتوحات اور ان کے انقلاب آفرین اقدامات مین جہان معاشی اثرات دخیل تھے، وہین دوسرے زیادہ طاقتور

عناصر بھی کام کر رہے تھے، اگر دین اسلام نے عربون کو ایک نصب العین اور ایک مقصد پر متحد نہ کر دیا ہوتا، اور انھین ایک عالمگیر تخیل سے روشناس نہ کیا ہوتا، تو محض معاشی اسباب کی بنا پر عربون سے وہ نتائج ظہور مین نہ آتے جن کے لئے آج بھی دنیا ان کی زیر بار احسان ہے،

پھر اشتراکی یہ بھی نہین بتاتے ہین، کہ آنحضرت صلعم کے ظہور کے وقت عربون کے معاشی نظام مین کیا تغیرات واقع ہو رہے تھے، اور طریق پیداوار کی وہ کونسی تبدیلیان تھین جنھون نے اس اخلاقی اور مذہبی انقلاب کا روپ بھرا، اور نہ وہ اس سوال کا کوئی جواب دے سکتے ہین کہ یہ اسلام کس نئے طبقہ کو میدان مین لایا، اور اس نے کن قدیم طبقون کو مٹایا، ہم بتا چکے ہین، کہ اشتراکی فلسفہ کی رو سے طریق پیداوار کی تبدیلیان اور معاشی نظام کے انقلاب انگیز تقاضے ہی دنیا کے بڑے بڑے سیاسی اور مذہبی انقلابات کا باعث ہوتے ہین، اس فلسفہ کی روشنی مین اوپر کے سوالات کا اطمینان بخش جواب دینا ضروری ہے، اس کے علاوہ سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ یہ مذہبی انقلاب کس نئے معاشی نظام کو وجود مین لایا، غلامی کا نظام تو عربون مین پہلے ہی سے موجود تھا، اشتراکیت کے بتائے ہوئے سلسلۂ ارتقاء کے لحاظ سے تو اس انقلاب کے بعد جاگیرداری نظام قائم ہونا چاہئے تھا، مگر اوس نے تو جاگیرداری نظام کو ان ملکون سے بھی مٹا دیا، جہان وہ قائم تھا، پھر کیا اسلام نظام سرمایہ داری کے قیام کا باعث ہوا، یا وہ اشتراکی نظام کے لئے راستہ صاف کرنے آیا تھا، بعض اشتراکی حضرات آخری تاویل کو قبول کرتے ہین یعنی اسلامی نظام اشتراکیت کا پیش خیمہ تھا، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ معاشی ارتقاء کے دو مدارج بیچ سے غائب ہو جائین، اور اچانک ارتقاء کی آخری منزل کا پیش خیمہ نمودار ہو جائے کارل مارکس کا پیش کردہ نظریہ تو اس بارے مین بالکل واضح ہے، وہ کہتا ہے کہ معاشی نظام درجہ بدرجہ ارتقاء کی منزلین طے کرتا ہے، کوئی معاشی نظام اوس وقت تک سابقہ نظام کی جگہ نہین لے سکتا ہے، جب تک کہ وہ حالات و شرائط نہ موجود ہون، جو اس کے وجود مین آنے کے لئے ضروری ہین، یہ عجیب بات ہے کہ اس

دور مین جب کہ انسان نظام غلامی کی منزل سے گذر رہا تھا، عربون کی سوسائٹی مین یکایک اشتراکیت کے ایک ملتے جلتے نظام کے لئے ماحول تیار ہو گیا، اشتراکیون کے سامنے جب اس نوع کے سوالات و شبہات پیش کئے جاتے ہین تو وہ عجیب و غریب تاویلات سے کام لینے لگتے ہین،

تاریخی واقعات کی توجیہ کا یہ طریقہ جس کی رو سے معاشی اسباب و محرکات کو انسانی سوسائٹی کی تشکیل مین عنصر غالب قرار دیا جاتا ہے، اشتراکی تحریک اور فلسفہ کا لازمی خاصہ بن گیا ہے، لیکن گہری نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوگا، کہ تاریخی واقعات و حوادث مختلف النوع اسباب سے ظہور پذیر ہوتے ہین، مذہبی، سیاسی اور معاشی محرکات مل جل کر واقعات کی تشکیل کرتے ہین، لیکن ان محرکات کی اضافی قوت کا پتہ چلانا دشوار بلکہ ناممکن ہے، انسانی فطرت اتنی پیچیدہ ہے کہ انسان کے اجتماعی ارادون اور اعمال کے متعلق یہ رائے قائم کرنا مشکل ہے، کہ ان مین مذہبی تخیلات کا حصہ کتنا ہے، سیاسی آرزوئین اور تمنائین کہان تک شامل ہین، اور معاشی مفاد کا تخیل کس حد تک دخیل ہے، ابھی تک وہ آلۂ فطرت نما ایجاد نہین ہوا ہے، جس سے انسانی اعمال کے ان مختلف محرکات و عوامل کا صحیح تناسب معلوم کیا جا سکے، اور جب تک اس قسم کا کوئی آلہ یا اور کوئی تدبیر انسانی ذہن ایجاد نہ کرے، اشتراکیون کے سوا اور کوئی ہوشمند جماعت یہ دعوی نہین کر سکتی ہے، کہ مختلف محرکات مین سے کوئی خاص محرک ہمیشہ دوسرون پر غالب رہتا ہے،

چونکہ اشتراکیت انسانی فطرت کی اس پیچیدگی کو نظرانداز کر کے صرف معاشی محرکات کو انسان کے اجتماعی افعال کا ذمہ دار قرار دیتی ہے، اور غیر معاشی محرکات کو ان کے مقابلہ مین بہت کم وزن دیتی ہے، اس لئے نتیجہ کے طور پر سوسائٹی کے امراض کے لئے جو علاج وہ تجویز کرتی ہے، وہ بھی صرف معاشی اصلاح تک محدود ہے، اشتراکیون کا کہنا یہ ہے کہ ذاتی ملکیت کا وجود ہی دنیا کی تمام برائیون کا سبب ہے اور اس کے مٹا دینے سے انسان کی تمام معاشرتی خرابیان خود بخود دور ہو جائین گی، اشتراکی تحریک اس نظریہ پر مبنی ہے، کہ جب سوسائٹی سے طبقاتی امتیازات فنا ہو جائین گے، اور ہر فرد کو اس کی ضروریات زندگی

میسر آنے لگین گی، تو سوسائٹی کے اخلاقی عیوب، سیاسی مفاسد اور معاشرتی خرابیان بہت جلد دور ہو جائین گی، حالانکہ اگر انسان کے اعمال مختلف النوع محرکات سے وجود پذیر ہوتے ہین، انسانی فطرت ایک سے زائد عناصر سے ترکیب پاتی ہے، تو پھر انسانی مسائل کے حل اور تمدنی خرابیون کی اصلاح کو صرف ایک جہت سے شروع کرنا کہان تک نتیجہ خیز ہو سکتا ہے، اگر انسانیت کی کامل اصلاح مقصود نظر ہے، تو یہ اصلاح ہمہ جہتی ہونی چاہئے، تمدن و معاشرت، اخلاق و مذہب، سیاست اور معیشت غرضکہ زندگی کے ہر دائرہ مین اصلاح کی ضرورت ہے، یہ تخیل کہ انسان کی معاشی حالت درست ہو جائے، اور ذاتی ملکیت مٹا دی جائے تو وہ یکسر فرشتہ خصلت بن جائے گا، دلکش اور نظر فریب تو ضرور ہے، مگر حقیقت سے بہت دور ہے؛

آلڈس ہیکسلے (Aldous Huxley) اپنی کتاب (Ends and Means) مین اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"سیاسی اور معاشی اصلاح دفاعی اخلاقیات کا ایک شعبہ ہے، دفاعی اخلاقیات کا مقصد یہ ہے کہ ایسا خارجی ماحول پیدا کیا جائے جس مین انسان کو برائی کرنے کا موقع ہی نہ ہو، عیسائی اکثر یہ دعا کیا کرتے ہین، کہ خدا انھیں بُرے کامون کی ترغیب سے محفوظ رکھے"، سیاسی اور معاشی اصلاح اس دعا کا جواب ہے، کیونکہ ایسی اصلاح اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ اگر انسان کا معاشرتی ماحول درست کر دیا جائے، تو وہ ترغیبات و تحریکات ہی نہ پیدا ہون گی، جن کی وجہ سے انسان برائی کرتا ہے لیکن ہمین یاد رکھنا چاہئے، کہ اس قسم کی اصلاحی کوشش انسان کو ایک برائی سے چھڑا کر دوسری برائیون مین مبتلا کر سکتی ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سیاسی اور معاشرتی اصلاح کے نتیجہ کے طور پر انسان کے برے میلانات ایک راہ سے ہٹ کر کسی دوسرے مرکز پر جمع ہو جاتے ہین، برائی کی ایک راہ بند ہو جاتی ہے، مگر دوسری راہین کھل جاتی ہین، برائی مٹتی نہین ہے، ہوتا صرف یہ ہے، کہ وہ اپنی پہلی شکل مین ظاہر ہونے کے بجائے کسی دوسرے روپ مین نمودار ہوتی ہے، مثلاً اس برائی کو لیجئے کہ انسان دوسرون پر

غلبہ اور اقتدار کی ہوس رکھتا ہے، اور دوسرون کے مقابلہ مین اپنی بڑائی چاہتا ہے، اب اگر گذشتہ زمانہ کا مقابلہ اس زمانہ سے کیا جائے، تو معلوم ہوگا، کہ پہلے انسان کی ہوس اقتدار اور غلبہ حاصل کرنے کی خواہش فوجی قوت کے ذریعہ سے پوری ہوتی تھی، اور اب وہ مال و دولت کے ذریعہ تسکین پاتی ہے، کسی زمانہ مین تلوار اور نسلی شرافت اس غلبہ کی علامتین تھین، اب روپیہ پیسہ اور مال و دولت نے ان کی جگہ لے لی ہے، روس مین ذاتی ملکیت مٹا دی گئی ہے، اور مال و دولت کی بنا پر کسی شخص کے لئے غلبہ حاصل کرنا ناممکن ہے، لیکن غلبہ کی خواہش اور اقتدار کی ہوس وہان بھی اس طرح موجود ہے، صرف وہ شکل بدل گئی ہے جس میں یہ حرص و ہوس نمودار ہوتی تھی، روس کے نئے نظام مین سیاسی اور حکومتی اقتدار کا حصول انسان کا مطمح نظر بن گیا ہے، وہان لوگ دولت اور روپیہ حاصل کرنے کے بجائے اس فکر مین لگے رہتے ہین، کہ اس منتخب گروہ مین وہ کوئی مقام حاصل کر لین جس کے ہاتھ مین ملک کا معاشی اور سیاسی اقتدار ہے۔"

جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے ثابت ہوتا ہے، محض خارجی اصلاح سے انسانی فطرت کو نہین بدلا جا سکتا ہے، اگر برائی کی فطرت موجود ہے، تو وہ اپنے لئے اظہار کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور تلاش کرے گی، اسی لئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اشتراکیون کا یہ خیال بالکل لغو اور مہمل ہے، کہ معاشی اور سیاسی انقلاب کے ذریعہ وہ ایک ایسی سوسائٹی بنانے مین کامیاب ہو جائین گے، جس مین طبقہ وارایت بالکل ناپید ہوگی، کیونکہ طبقاتی امتیازات کا اصلی سبب پھر بھی باقی رہے گا، یہ امتیازات انسان کی اس فطری خواہش سے پیدا ہوتے ہین، کہ وہ اپنی سوسائٹی اور اپنے ہم چشمون مین کوئی نمایان مقام حاصل کرے، ہر زمانہ مین تفوق و امتیاز کا کوئی معیار ضرور ہوا کرتا ہے، اور سوسائٹی کے وہ افراد جو اتفاقات خوش قسمتی یا ذاتی جد وجہد سے اس معیار تک پہونچنے مین کامیاب ہو جاتے ہین، ایک خاص طبقہ کی شکل اختیار کر لیتے ہین، جاگیرداری نظام

مین معیارِ تفوق خاندانی شرافت اور فوجی جسارت تھی، اس لئے جو لوگ فوجی خصوصیات کے حامل تھے، اور اچھے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، انھون نے جاگیردار طبقہ کی صورت اختیار کر لی، نظام سرمایہ داری مین دولت کو معیارِ تفوق تسلیم کیا جاتا ہے، جو لوگ دولت حاصل کرکے اس معیارِ تفوق تک پہونچ جاتے ہین، وہ مجموعی طور پر سرمایہ دار طبقہ سے موسوم کئے جاتے ہین، اب فرض کیجئے کہ اشتراکی جماعت اپنے خیال کے مطابق واقعی ایک ایسی سوسائٹی کی بنیاد رکھنے مین کامیاب ہوجائے، جس مین ہر شخص کو بقدرِ ضرورت سامانِ معیشت حاصل ہو اور دولت کی بناپر کسی شخص کو کوئی امتیاز نہ حاصل ہو، تب بھی اس سوسائٹی مین کوئی معیارِ تفوق ضرور ہوگا، تمام انسان ہر طرح سے برابر ہونے سے رہے، امتیاز و برتری کا کوئی نہ کوئی اصول تو بہر حال قائم رہے گا، ملک کی خدمت، فنی کارکردگی یا اور کسی اہلیت کی بنا پر انسان تعریف و توصیف اور عزت و امتیاز کا مستحق ضرور قرار پائے گا، پھر کیا یہ یقینی نہین ہے، کہ وہ تمام لوگ جو ان صفات کے حامل ہون، اور سوسائٹی کے مروجہ معیارِ تفوق پر پورے اترتے ہون، رفتہ رفتہ ایک طبقہ بن جائین، ظاہر ہے کہ جب تک انسان مین امتیاز و فوقیت حاصل کرنے کی خواہش موجود ہے، طبقہ واریت کو بالکل مٹایا نہین جاسکتا ہے، اشتراکی نظام مین طبقہ واریت کا پیدا ہونا اسی طرح یقینی ہے جس طرح صبح کے وقت آفتاب کا طلوع ہونا، اس کے باوجود یہ دعوی کہ اب تک جتنے تمدن گذرے ہین، وہ سب طبقہ واریت پر مبنی تھے، لیکن اشتراکی تہذیب طبقہ واریت کو بالکل مٹا دیگی، جہالت، کم علمی اور ہٹ دھرمی کے سوا اور کسی چیز پر مبنی ہے، خود روس کا موجودہ اشتراکی نظام طبقہ واریت سے خالی نہین ہے، یہ صحیح ہے کہ زمیندارون اور سرمایہ دارون کے مٹ جانے سے سوسائٹی مین ظالم و مظلوم کی وہ پہلی سی تفریق نہین رہی ہے، جو آفرینش دولت کے آلات و وسائل کی ذاتی ملکیت پر قائم تھی، لیکن اشتراکی روس مین اب نئے معاشرتی طبقات وجود مین آنے شروع ہوگئے ہین جن سے اس مفروضہ کی تردید ہوتی ہے کہ روسی معاشرہ طبقہ واریت سے بالکل پاک ہے، یہ نئے طبقے انتظامی عہدہ دارون ہنر سیکھے [illegible]

مزدورون اور اجتماعی بنیاد پر کام کرنے والے خوش حال کسانون پر مشتمل ہین، ان نئے طبقون کی تعداد لاکھون تک پہونچ چکی ہے، اور موجودہ اشتراکی نظام پر انھی لوگون کا قبضہ ہے، یہی وہ حکمران طبقات ہین جو اس وقت روس کا نظام چلا رہے ہین، ان کی تنخواہین اور اجرتین عام مزدورون اور کام کرنے والون سے بدرجہا زیادہ ہین، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تقسیم دولت اور معیارِ زندگی کے اعتبار سے روسی آبادی مین رفتہ رفتہ نمایان امتیازات پیدا ہوتے جاتے ہین،

انسان کی علمی اور تمدنی ترقی نے اس کے جذبات و تخیلات اور اسکی بنیادی فطرت کو کتنا کم متاثر کیا ہے، اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ انسانی تاریخ مین جب کبھی اشتراکیت نے سر اٹھایا ہے، اس نے ملک کی قدرتی دولت کی طرح عورتون کو بھی مشترک ملکیت قرار دینے کی کوشش کی ہے، ایران مین قباد کے زمانہ مین مزدک کی مذہب بھی اسی اصول کا حامی تھا کہ مرد و زن کے تعلقات کو شادی بیاہ کے قیود سے آزاد کر دیا جائے، اور مال و دولت کی طرح عورتین بھی جمہور کی مشترکہ ملکیت ہون، اس سے قبل افلاطون نے اپنی خیالی ریاست کے لئے جو نظام تجویز کیا تھا، اس مین سپاہیون اور محافظون کے لئے نکاح کی قید اٹھا دی تھی، اور محافظون کو یہ حق دیا تھا، کہ وہ جس عورت اور مرد کو چاہین مناسب اوقات مین یکجا کر دین، یہ یاد رہے کہ افلاطون کی مجوزہ ریاست مین سپاہیون اور محافظون کو ذاتی ملکیت سے محروم کر دیا گیا تھا، [illegible] ان کے لئے جو نظامِ زندگی بنایا گیا تھا، وہ خالص اشتراکی نظام تھا، موجودہ روسی اشتراکیت بھی خاندانی نظام کی دشمن ہے، اور مرد و زن کے تعلقات پر کوئی قانونی یا اخلاقی پابندی عائد کرنا نہیں چاہتی، ہی، غرضکہ اباحتِ مطلقہ ہمیشہ سے اشتراکیت کی شان رہی ہے، اب ہر انصاف پسند شخص فیصلہ کر سکتا ہے، کہ ایک ایسے نظام مین جہان ہر شخص کو وسائل معیشت بآسانی میسر آتے ہون، اور جہان صنفی خواہشات و تعلقات پر کوئی اخلاقی مذہبی یا سماجی گرفت نہ ہو، وہان صنفی بدعنوانیون اور فواحش کی کیسی کثرت ہوگی، اور انسانی نسل کو کیسا ناقابل تلافی نقصان اٹھانا ہوگا، اشتراکیون سے جب کبھی اس

موضوع پر بحث کیجاتی ہے، تو وہ فوراً موجودہ اشتراکی روس کی مثال دیکر کہتے ہیں، کہ روس میں صنفی بدعنوانیوں کی وہ کثرت نہیں ہے، جو امریکہ اور انگلستان یا فرانس میں ہے، حالانکہ وہاں مرد وزن کے تعلقات پر کوئی قید نہیں ہے، ممکن ہے کہ اشتراکیوں کا کہنا صحیح ہو، اور روس میں ابھی تک وہ حالت نہ پیدا ہوئی ہو، جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، لیکن روس کی موجودہ حالت کو بطور مثال پیش کرتے ہوئے اشتراکیوں کو یہ بات نہ بھولنی چاہئے، کہ اول تو روس میں ابھی اشتراکی نظام پوری طرح قائم ہی نہیں ہوا ہے کیونکہ جیسا اس سے قبل بتایا جاچکا ہے، خود لینن نے اکثر اس خیال کا اظہار کیا ہے، کہ روس کے موجودہ نظام کو اشتراکی نظام نہیں کہا جاسکتا ہے، بلکہ ریاستی سرمایہ داری (State Capitalism) کہنا زیادہ صحیح ہوگا، دوم یہ کہ اخلاقی محاسن کی طرح اخلاقی معائب کے نتائج و اثرات بہت دیر میں ظاہر ہوتے ہیں، ابھی روسی نظام کے قیام کو صرف بیس یا بائیس سال کا عرصہ گذرا ہے، اور اشتراکی تربیت پائے ہوئے نوجوانوں کی پہلی نسل بھی تیار نہیں ہوئی ہے، تیسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ابھی روسی اشتراکیت تخیل اور نصب العین کی زندگی سے مالا مال ہے، اور دوسرے سرمایہ دار ممالک سے اس کا مقابلہ ہے، اگر اشتراکیوں کے تخیل کے مطابق ساری دنیا پر اشتراکی نظام غالب آجائے، اور اشتراکیت دنیا کے بڑے حصہ میں پھیل جائے یا تخیل کی وہ تازگی اور نصب العین کی وہ قوت مرور زمانہ سے پژمردہ ہو جائے، جو ابھی تک اس میں باقی ہے تو اس وقت مادی خوشحالی اور لذت پرستی کے سوا اور کوئی نصب العین اس سوسائٹی میں نہ ہوگا، اور نہ طاقت ور حریفوں کا خوف اسے اپنی اندرونی اخلاقی حفاظت پر آمادہ کرے گا، اس وقت جو اخلاقی انتشار و نزاع اشتراکی سوسائٹی میں پیدا ہوگا، اسکی وجہ سے اشتراکی نسل قطعاً برباد ہو جائے گی،

اسلامی نظریات

جو لوگ اشتراکیت اور اسلام کے امتزاج سے ایک نیا مرکب تیار کرنا چاہتے ہیں، اور یہ خیال کرتے ہیں، کہ اسلام اور اشتراکیت کے درمیان کوئی بنیادی تضاد نہیں ہے، وہ انتہائی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، اشتراکیت، ماوراء مادہ کسی حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، حالانکہ اسلام سب سے پہلا مطالبہ انسان

سے یہ کرتا ہے، کہ وہ چند بنیادی حقائق پر ایمان لائے، جو تجربہ کی رسائی سے ماوراء اور عقل کے حدود سے بالاتر ہیں، اسلام کی ساری تعلیم خدا کے تصور اور آخرت کے یقین پر قائم ہے، اور کوئی شخص اسلامی سوسائٹی کا رکن نہیں ہو سکتا ہے، جب تک کہ وہ خدا کی ذات وصفات اور حیات اخروی کے دونوں بنیادی حقائق کو بے چون وچرا تسلیم نہ کرے، اس کے برخلاف کوئی شخص کمیونسٹ پارٹی میں شرکت نہیں کر سکتا ہے، جب تک کہ وہ خدا کے وجود اور آخرت کے تصور کا منکر نہ ہو، اس بنیادی فرق کو سمجھ لینے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معاشی امور کے متعلق اسلام اور اشتراکیت کے نقطۂ نظر میں کیا فرق ہے، اگر غور سے دیکھئے تو معاشیات کے دائرہ میں بھی یہ دونوں ایک دوسرے کے ضد ہیں، اشتراکیت معاشی خوشحالی کے حصول کو مقصود بالذات قرار دیتی ہے، اس کا مبتدا و منتہا اور مقصد و غایت ہی مادی فراغت اور معاشی مساوات ہے، اس کے برخلاف اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے، کہ حصول معیشت اور اکتساب مال بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہے، بلکہ وہ ایک وسیلہ ہے اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کا، اسلام نے چونکہ انسان کو زمین پر خدا کا خلیفہ اور اس کا نائب قرار دیا ہے، اور اس حیثیت میں اس کے تفویض یہ منصب کیا ہے کہ وہ انفرادی طور پر خدا کی ذات وصفات سے قربت و مشابہت حاصل کرے، اور اجتماعی حیثیت سے خدا کے قانون کو انسان کے خود ساختہ نظریات و قوانین پر بالاتر کرے، اس لئے وہ معاشی اصلاح کو اس نصب العین کے حصول کا ایک ضروری وسیلہ قرار دیتا ہے، اور انسان کے معاشی مسئلہ کو اسی حیثیت پر قائم رکھنا چاہتا ہے، اس کو نہ کسی خاص طبقہ سے کوئی دشمنی ہے، نہ وہ غریبوں کو دولتمند افراد سے رشک وحسد کرنا سکھاتا ہے، اور نہ اسے بورژوا یا متوسط طبقہ سے نفرت ہے، وہ معاشی اصلاح کے ذریعہ دولت کو محدود ہو جانے سے روکتا ضرور ہے، لیکن اس کا اصل مقصد انسان کے اخلاقی احساس کو اتنا بیدار اور قوی کر دینا ہے، کہ ہر فرد اخوت وہمدردی کے جذبہ سے سرشار ہو جائے اور دوسروں کے مصائب وتکالیف میں ان کی مالی اعانت کرنا اپنا دینی فرض خیال کرے، وہ ایک ایسی سوسائٹی

تعمیر کرنا چاہتا ہے، جس مین دولت سمٹ سمٹا کر ایک محدود طبقہ کے ہاتھون مین نہ چلی جاے، بلکہ ؛
سوسائٹی کے زیادہ سے زیادہ افراد کے درمیان پھیلے اور گردش کرے، اس کے متعلق کلام مجید کا
ارشاد یہ ہے :-

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری
فللہ و للرسول ولذی القربیٰ
والیتمی والمساکین وابن السبیل
کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء
منکم،

جو کچھ اللہ اپنے رسول کے ہاتھ لگا دے
بستیون والون سے وہ اللہ کے لئے ہے اور
رسول کے لئے اور (رسول کے) ناتے والون
کے لئے اور یتیمون اور محتاجون اور مسافرون
کے لئے ہے، تاکہ وہ صرف دولتمندون کے
درمیان گردش نہ کرے،

آیت کے آخری جزو مین اس نے صاف طور پر کہہ دیا ہے، کہ وہ اجتماعی دولت کو صرف دولتمندون کا حق نہین سمجھتا ہے، بلکہ اسکی تقسیم مین ہر طبقہ کے افراد کو شریک کرنا چاہتا ہے، اسلام نے اس سرمایہ دارانہ ذہنیت کو مٹانے کی پوری کوشش کی ہے، جو دولت کو حاصل کرنے مین بڑی بیباک ہے لیکن اس کے صرف کرنے مین بیحد تنگ دل ہے، وہ کہتا ہے، کہ تم دولت کما سکتے ہو، لیکن یہ حق نہین رکھتے ہو کہ اس کے انبار لگاتے رہو یا صرف اپنی راحت و آرام پر اسے صرف کرتے رہو، نماز اور زکوٰۃ کے بعد کلام مجید مین شاید ہی کسی اور بات کو اتنی بار دہرایا گیا ہو، جتنا اس بات کو کہ دولت خدا کی راہ مین صرف کرتے رہنا چاہئے، یہان تک کہ ان لوگون کو سختی سے متنبہ کیا گیا ہے جو دولت جمع کرتے ہین، لیکن خدا کی راہ مین صرف نہین کرتے ہین، ارشاد ہوا ہے :-

والذین یکنزون الذھب والفضۃ
ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہین،
لیکن اسے خدا کی راہ مین خرچ نہیں کرتے

بعذاب الیم، ہین، انھیں سخت عذاب کی خوشخبری دو،

ایک اور جگہ یہ بات بتائی گئی ہے، کہ انسان نیکی حاصل نہیں کر سکتا ہے، جبتک اپنی دولت کو راہِ خدا مین صرف نہ کرے :-

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون
(آل عمران -- ۱۰)

تم نیکی ہرگز حاصل نہ کر سکوگے، جبتک کہ
ہر اُس چیز کو جس سے تم محبت کرتے ہو
(راہ خدا مین) صرف نہ کرو،

دولت کو زیادہ سے زیادہ افراد مین تقسیم کرنے کی غرض سے اسلام نے خاندانی نظام کو باقی رکھنا ضروری سمجھا کیونکہ خاندان انسانی زندگی اور تمدن کی ایک قدرتی اکائی ہے، اور دنیا کے تمام خارجی نظامات مین سب سے زیادہ مستحکم اور بھروسہ کے قابل ہے، حکومتین بنتی اور بگڑتی رہتی ہین، سیاسی اور معاشی انقلابات کی آندھیان آتی، اور گزر جاتی ہین، طبقاتی تقسیم بدلتی رہتی ہے لیکن خاندان اپنی جگہ مضبوطی سے قائم ہے اور رہے گا، اشتراکیون اور دوسرے خیال پرستون کے باوجود انسانی تمدن پر وہ دور کبھی نہین آیا ہے اور نہ آسکتا ہے، جب انسان خاندانی رشتون اور بندھنون سے اپنا پیچھا چھڑا سکے، جہان بھی دس بیس آدمی بسین گے، شادی بیاہ ہو گا، شوہر بیوی، مان باپ، بھائی بہن، داماد و خسر کے رشتے ہون گے، اور انسان الفتون اور قرابتون کے ایک پھیلے ہوئے سلسلہ مین منسلک رہے گا، انسانی زندگی کی اس فطری وحدت کو اسلام اپنے اخلاقی اور معاشی مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے، اور اس باہمی امداد و معاونت کے جذبہ پر جو فطرۃً خاندان کے افراد مین ایک دوسرے کے لئے موجود ہوتا ہے، مذہبی فرض و احساس کی مہر لگا دیتا ہے تاکہ انسان نفس پرستی اور خودغرضی کی کیسی ہی شدید حالت سے گذر رہا ہو، کم از کم ایک محدود دائرہ مین وہ دوسرون کی امداد و پرورش کا ذریعہ بنا رہے، اسی غرض سے اسلام نے خاندان کی زندگی کو چھوٹے پیمانہ پر امداد باہمی کا ادارہ بنا دیا ہے، اور اہل خاندان کے حقوق و فرائض

مذہبی احکام کا وزن ڈالدیا ہے، چنانچہ قرآن کریم مین کئی مقامات پر ذوی القربی کے حقوق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور غیر مستطیع اقربا، کی امداد کو انسان کی پہلی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے، ایک جگہ نہایت بلیغ انداز مین یہ حکم سنایا گیا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ،

اللہ تمھین حکم دیتا ہے انصاف کا نیکی کا اور غیر مستطیع) عزیزون کی مدد کا، اور تمھین روکتا ہے فحش باتون اور برے کامون سے

اپنے قوانینِ وراثت مین بھی اسلام نے اس امر کو ملحوظ رکھا ہے، کہ وراثت افراد خاندان کی زیادہ سے زیادہ تعداد پر تقسیم ہو، اس بارے مین اگر اس کا مقابلہ مغربی ممالک کے مماثل قوانین سے کیا جائے تو معلوم ہوگا، کہ مسلمانون مین دولت اس طرح ایک جگہ جمع ہی نہین ہو سکتی، جیسے کہ مغرب مین وہ ایک خاص حلقہ مین گردش کرتی رہتی ہے،

اسلام کے معاشی نظام کا سنگِ بنیاد زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ وہ رقم ہے، جو صاحب استطاعت افراد سے لیکر غریبون اور غیر مستطیع افراد مین تقسیم کیجاتی ہے، یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ زکوٰۃ اس قسم کی کوئی رقم ہے جو آج کل حکومتین اپنی رعایا سے وصول کرتی ہین، کیونکہ اس قسم کے جتنے ٹیکس عوام سے وصول کئے جاتے ہین، وہ ان منافع اور فوائد کے معاوضہ مین لئے جاتے ہین، جو عوام کو حکومت کی سرگرمیون سے حاصل ہوتے ہین، لیکن زکوٰۃ وہ ٹیکس ہے جو محض غیر مستطیع افراد کی مالی اعانت کے لئے وصول کیا جاتا ہے، اور اس کے معاوضہ مین محصول دہندگان (Tax payers) کو حکومت کی جانب سے دنیا مین کسی اور شکل مین کوئی فائدہ نہین ہوتا ہے، اسی لئے زکوٰۃ کے مصارف بھی معین کر دیئے گئے ہین، یعنی زکوٰۃ کی رقم صرف غریبون کی مالی اعانت مین صرف کیجا سکتی ہے، لیکن دوسرے مصرف مین نہین لگائی جا سکتی ہے، یہ اعتراض صحیح نہین ہو کہ غربا اور حاجتمندون کی تعداد کے مقابلہ مین زکوٰۃ کی رقم اس قدر قلیل ہوگی کہ اس سے

ان کو کوئی فائدہ نہین ہوگا، کیونکہ حکومت جو معاشرتی خدمات (Social Services) انجام دیتی ہے، مثلاً سڑکون اور پلون کی تیاری، آب پاشی اور نہر سازی کے انتظامات، ریلون اور ہوائی سروس کا قیام یا اسی طرح کے دوسرے کام ان کے لئے زکوٰۃ کی رقم مین سے ایک پیسہ بھی وہ صرف کرنیکی مجاز نہ ہوگی، اس کے علاوہ جب اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ اسلامی حکومتون مین معادن ([illegible]) سے بھی خمس یعنی پانچوان حصہ وصول کیا جاتا ہے، اور اس کا شمار بھی زکوٰۃ مین ہوتا تھا، تو پھر یہ اعتراض اور بھی بے معنی ہو جاتا ہے، کہ زکوٰۃ کی رقم غربا کے لئے کافی نہ ہوگی، کیونکہ اس طرح زکوٰۃ کی رقم لاکھون بلکہ کروڑون تک پہونچ سکتی ہے، ایک اور بے معنی اعتراض اس سلسلہ مین یہ کیا جاتا ہے، کہ زکوٰۃ کو غیر مستطیع افراد پر صرف کرنے سے یہ لوگ ناکارہ ہو جائین گے، اور ان مین کام کرنے کا حوصلہ باقی نہین رہے گا، معترضین شاید یہ سمجھتے ہین، کہ اسلامی حکومت ہر غریب آدمی کو گھر بیٹھے زکوٰۃ کی رقم مین سے اس کا حصہ دیدیا کرے گی، خواہ وہ کوئی کام کرے یا نہ کرے، یہ خیال بالکل غلط ہے، کوئی ہوشمند حکومت افراد ملک کو اس طرح بیکار رہنے کی تعلیم نہین دے گی، مستحقین تک زکوٰۃ کی رقم پہونچانے کے ہزارون طریقے ہو سکتے ہین جن سے ان کی احتیاج بھی دور ہو جائے، اور بے کار بیٹھ کر کھانے کی عادت بھی نہ پڑے، مثلاً غریبون کے لئے حکومت سستے اور آرام دہ مکانات تعمیر کر سکتی ہے، غریب بچون کے لئے وسطانی اور تحتانی تعلیم مفت کر دیجا سکتی ہے، غریب طلبہ کے لئے خریداری کتب کا انتظام کیا جا سکتا ہے، غریب کسانون کے قرضہ کا بار ہلکا کیا جا سکتا ہے یا انھین اشیاء اور آلات خریدنے کے لئے رقم دیجا سکتی ہے، بیواؤن کے لئے وظائف مقرر کئے جا سکتے ہین، غرضکہ متعدد صورتون مین زکوٰۃ اس طرح صرف کیجا سکتی ہے، کہ اس سے فائدہ اٹھانے والے بیکار نہ بن جائین، اس سلسلہ مین یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے، کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ملک کے تمام قدرتی وسائل اور اس کی قدرتی دولت افراد کی نہین، بلکہ حکومت کی ملک ہے، آئندہ اگر اسلامی حکومت کا قیام عمل مین آئے تو وہ تمام بنیادی اور کلیدی صنعتین جن پر صنعتی نظام کا دار و مدار

ہوتا ہے، حکومت کی ملک ہون گی، ایسی حکومت مین سرمایہ دارون کا زور بالکل ٹوٹ جائے گا، کیونکہ جو صنعتین انفرادی طور پر اہل ملک کے قبضہ مین رہین گی، وہ بنیادی صنعتون کی پیداوار سے استفادہ کئے بغیر قائم نہ ہو سکینگی،

اس دعوی کے لئے سب سے مضبوط سند حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ فیصلہ ہے جو آپ نے شام و عراق کی فتوحات کے بعد وہان کی اراضی کی ملکیت کے بارے مین فرمایا تھا، ان ممالک کی مفتوحہ اراضی کے متعلق اہل فوج کا مطالبہ یہ تھا کہ وہ ان سپاہیون اور فوجون کو دیدی جائین جنھون نے ممالک مذکور فتح کئے تھے، اپنے مطالبہ کی سند مین اہل فوج نے رومی سلطنت کے جاگیری نظام کو پیش کیا، جس کے تحت شام کی اراضی اس کے اصلی باشندون سے چھین کر زمیندارون اور فوجی جاگیردارون مین تقسیم کر دی گئی تھین، اور زمینون کے اصلی مالکون کو مزدورون کی طرح اجرت پر کام کرنا پڑتا تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل فوج کے مطالبہ کو نہین مانا، اور ان کے لئے ماہوار تنخواہین اور وظائف مقرر کرکے مفتوحہ اراضی کو حکومت کی ملکیت قرار دیا، اور زمینیں ملک کے اصلی باشندون کو واپس کر دین، اس طرح جاگیرداری نظام کو یکقلم مٹا دیا گیا،

اسلام کے معاشی نظام کے متعلق اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ نظام نہ تو خالص اشتراکیت ہے، اور نہ خالص سرمایہ داری، بلکہ ان انتہاؤن کے درمیان وہ ایک اعتدال پیدا کرتا ہے، وہ ذاتی ملکیت کو باقی رکھنا ضروری خیال کرتا ہے، لیکن اس پر ایسے قیود و شرائط عائد کرتا ہے، کہ وہ معاشی استحصال (exploitation) کا ذریعہ نہ بننے پائے،

معاشی امور مین اسلام اور اشتراکیت کے درمیان جو کچھ مشابہت نظر آتی ہے، وہ صرف سطح سے تعلق رکھتی ہے، ورنہ اپنی بنیاد اور روح کے اعتبار سے ان دونون نظامات مین کوئی مناسبت نہین ہے، اخلاق و معاشرت اور تمدن کے مسائل مین اسلام اور اشتراکیت کے نقطۂ نظر مین زمین آسمان کا فرق ہے، اخلاقی اصلاح کی بابت اشتراکیت کا نقطۂ نظر خارجیت پسندی پر مبنی ہے، یعنی وہ انسان کی اخلاقی برائیون

کو خارجی ماحول کی خرابیون پر محمول کرتی ہے، اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اگر انسان کا عمرانی ماحول درست کر دیا جائے، اسے معاشی آزادی دیدی جائے اور سیاسی غلامی کی زنجیرون سے اُسے رہا کر دیا جائے، تو اسکی تمام برائیان اور مجرمانہ میلانات خود بخود دور ہو جائین گے، کیونکہ جرم اور بداعمالی کی ترغیب معاشرتی مجبوریون سے ہوتی ہے، اشتراکیت انسانی فطرت کی طرف سے بہت خوش عقیدہ واقع ہوئی ہے، اس کے برخلاف اسلام نے نہ تو سینٹ پال کی عیسائیت کی طرح انسان کو پیدائشی گنہگار قرار دیتے ہوئے اس کے متعلق یہ نظریہ پیش کیا ہے، کہ اسکی سرشت سے برائی دور ہی نہین ہو سکتی ہے، اور نہ وہ اشتراکیت کی طرح انسان کے متعلق یہ حسن ظن رکھتا ہے، کہ خارجی اور عمرانی ماحول کے درست ہوتے ہی انسان فرشتہ بن جائے گا، اس بارے مین بھی وہ اپنے اس اعتدال اور توازن کو نہین چھوڑتا ہے، جو اس کی سب سے بڑی خصوصیت ہے، وہ تسلیم کرتا ہے کہ ایک حد تک انسان کا معاشرتی ماحول اسے برائی کی ترغیب دیتا ہے، لیکن وہ کہتا ہے کہ جہان عمرانی اور معاشرتی ماحول کی اصلاح سے انسان کی بہت سی برائیان دور ہو سکتی ہین، وہان بعض برائیان ایسی بھی ہین جن کا عمرانی اور معاشرتی ماحول سے کوئی لازمی تعلق نہین ہے، اور جو ضبط نفس کی کمی، اخلاقی تربیت کے فقدان اور ماوراے مادہ حقائق پر ایمان نہ لانے سے پیدا ہوتی ہین، اسلئے اگر خارجی ماحول درست کر دو گے، اور یقیناً اسے درست کرنا چاہیے، تو بعض برائیان دور ہو جائین گی، لیکن بہت سی برائیان پھر بھی باقی رہین گی اور یہ برائیان اس وقت تک نہین مٹ سکتی ہین، جب تک انسان مین وہ اخلاقی احساس نہ پیدا ہو جائے جو حکومت کے جبر و تخویف، سوسائٹی کی مدح و ذم اور دنیوی نتائج کے خوف سے بے نیاز ہو کر بھی اُسے نیکی اور سچائی پر قائم رکھے، جو انسان برائی سے اسلئے بچا ہوا ہے، کہ اس کا ماحول ایسی ترغیبات سے خالی ہے، جو اُسے بُرائی کی طرف مائل کرین، وہ یقیناً بہت کمزور بنیاد پر کھڑا ہے، کیونکہ ماحول کی ذرا سی خرابی اسے بُرا بنا سکتی ہے، سیرت کی مضبوطی اور کردار کی بلندی کا تقاضا یہ ہے، کہ انسان برائی کے درمیان رہکر بھی اپنی اخلاقی قوت کے باعث اس سے محفوظ رہے، یہ سیرت اور یہ کردار اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے، جب انسان اپنی مادی زندگی کے آگے ایک حیات برتر کا